عرض ناشر

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بارہا اپنے خطبات، خطابات اور مجالس عرفان میں نماز کے قیام کی طرف توجہ دلائی ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ سمجھایا کہ صرف رسمی عبادت یا خالی نمازیں کافی نہیں بلکہ نماز کی حقیقت کو سمجھ کر اس کے الفاظ کے معانی میں ڈوب کر نماز پڑھنی چاہئے۔ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اردو کلاس میں بچوں اور عام معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت آسان الفاظ اور دلچسپ انداز میں، روزمرّہ کی مثالیں دے کر نماز کے معانی و مطالب بیان فرمائے۔ جسے مکرم نصیر احمد صاحب شاہد مبلغ سلسلہ Belgium نے اُردو کلاس کی اِن تمام کیسٹس کو سن کر انہیں Transcribe کر کے تدریس نماز سے متعلق ارشادات کو مرتّب کیا جو کہ اخبار الفضل انٹرنیشنل میں چھ قسطوں میں شائع ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل و احسان ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ کو یہ توفیق اور سعادت مل رہی ہے کہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے نماز سے متعلق بیان فرمودہ ان بیش قیمتی معارف کو یکجائی صورت میں شائع کرے۔

اس کتابچہ کو تیار کرنے میں جن خدام نے محنت کی ہے ان میں سرِ فہرست مکرم صمد احمد صاحب غوری ناظم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ قادیان ہیں، نیز مکرم شاہد احمد صاحب ندیم نائب مہتمم مقامی قادیان نے بھی اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرماتے ہوئے اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اسی طرح ان کے علاوہ بھی جن خدام نے اس سلسلہ میں معاونت کی ہے ان کا بھی خاکسار بے حد مشکور ہے۔

فجزاھم اللّٰہ خیرًا

ہمیں امید ہے کہ جملہ خدام و اطفال و دیگر احباب بھی اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی اور حقیقی نمازیں نصیب فرمائے اور اپنے مخلص عبادت گزار بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین

والسلام خاکسار

عطاء الٰہی احسن غوری

مہتمم مقامی

مجلس خدام الاحمدیہ قادیان

۱۵ر ستمبر ۲۰۰۴ء

بِسْــــمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْم نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمْ

اردو کلاس میں تدریس نماز

نیّت

﴿وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

میں نے اپنی ساری توجہ اس ذات کی طرف، اسی کا فرمانبردار ہوکر پھیر دی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

ثَنَاء

﴿سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ﴾

﴿سُبْحَانَ﴾ پاک۔ جو چیز پاک ہو۔

ایک چیز گندی ہو جائے اس کو آپ دھولیں، اچھی طرح مَل مَل کے صاف کر کے تو وہ پاک ہوجاتی ہے۔ کپڑے پاک ہوجاتے ہیں۔ عورتیں کہتی ہیں ہم نے اپنے کپڑوں کو دھویا، صاف کیا، بچوں کے کپڑے دھوئے، ان کو پاک صاف کردیا۔

پاک کیا چیز ہوتی ہے؟ جس پر کوئی داغ نہ رہا ہو، کوئی کمزوری نہ رہی ہو۔ لیکن صرف پاک ہی ہو تو کافی نہیں۔ اس کے اندر کچھ اَور بھی ہونا چاہئے۔ جو کپڑا صاف ستھرا ہوجائے وہ پھر رنگ بھی قبول کرسکتا ہے۔ اس کپڑے کو جو چاہو رنگ دے دو۔ جیسے چاہو پھول بنالو اس کے اوپر۔ گندے کپڑے پر نہیں بنتے۔ گندے کپڑے پر لگاؤ تو اس کے اندر کے داغ نکل کے رنگ کو گندا کر دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے، مگر صرف پاک ہی نہیں بلکہ:

﴿وَبِحَمْدِکَ﴾:

ایسی خوبیوں سے بھرا پڑا ہے جو کامل ہیں۔ تو صرف عیبوں سے پاک ہونا کافی نہیں، خوبیاں رکھنا بھی ضروری ہے۔ تو یہ مکمل تعریف ہے۔ ﴿سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ﴾ پاک ہے تو اے اللہ اور اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے۔ یعنی صرف پاک ہی نہیں بلکہ ہر حمد تیرے اندر موجود ہے۔

﴿وَتَبَارَکَ اسْمُکَ﴾:

پہلے کہہ دیا ہر برائی سے تو پاک ہے پھر کہہ دیا ہر خوبی تیرے اندر ہے۔ پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ ﴿وَتَبَارَکَ اسْمُکَ﴾۔ اس کا مقصد، اس میں حکمت کیا ہے؟ جب سب کچھ کہہ دیا ﴿سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ﴾ پھر ﴿وَتَبَارَکَ اسْمُکَ....﴾ کیوں کہا؟

اَللّٰہ نام میں دو باتیں ہم نے بیان کر دیں۔ اَللّٰہ نام میں کوئی برائی نہیں، سب خوبی موجود ہے۔ یہ برکت کا مطلب ہے۔ جس نام میں کوئی برائی نہ ہو اور سب خوبیاں ہوں اس سے برکت پڑتی ہے۔ دنیا میں اس کے سوا کسی اور سے برکت نہ ڈھونڈو۔

﴿وَتَبَارَکَ اسْمُکَ﴾ یہ نام ہے برکت والا۔ اب اس نام کو جو بھی لے گا یہ سمجھ کر اور سوچ کر، اس کو برکت ملے گی۔

﴿وَتَعَالٰی جَدُّکَ﴾:

اور یہ وہ ذات ہے جو ہر دوسری ذات سے بلند ہے۔ کوئی اور ذات اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

﴿وَلَا اِلٰـهَ غَیْرُکَ﴾:

جب ہم کہتے ہیں اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ساری باتیں جو بیان کی ہیں یہ ہمیں مجبور کرتی ہیں، ﴿وَلَا اِلٰـهَ غَیْرُکَ﴾ اب تو ہی ہے، تیرے سوا کوئی نہیں۔ ایک ہی معبود ہے دنیا میں جس میں ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ہم نے بیان کر دی ہیں۔

پس ایسی نماز کی تیاری، عبادت کی، دنیا کے پردے پر کہیں نہیں ملے گی۔ جتنے عبادت کرنے والے ہیں، ہندو ہوں، سکھ ہوں، عیسائی ہوں، چاہے وہ چمٹے بجائیں، چاہے جو مرضی کریں، یہ اتنی خوبصورت عبادت ہے، اتنی معنی خیز جو خدا تعالیٰ کا پورا تعارف کرواتی ہے، آپ کو دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ملے گی۔ صرف اپنی عبادت لوگوں کو سکھاؤ، بتاؤ یہ ہماری عبادت ہے، تم دکھاؤ اپنی عبادت۔ تو تم ہر کے ساتھ فخر سے اپنے سر کو اونچا کر سکتے ہو۔ ہمیں اللہ میاں نے کتنی اچھی عبادت سکھائی ہے تم نے اگر عبادت اس لئے کرنی ہے، یہی مذہب کا مقصد ہے تو شامل ہو جاؤ۔ اسلام کے حق میں صرف عبادت کا آغاز ہی دلیل بن جاتا ہے۔ لوگ مذہب کو کیوں مانتے ہیں؟ کیوں کہ اللہ سے ملاتا ہے۔ کوئی ہندو ہو جاتا ہے، کوئی عیسائی، کوئی یہودی، کوئی مسلمان۔ مختلف مذاہب ہیں، ان کا کیا مقصد ہے؟ مذہب رستہ کو کہتے ہیں۔ جو رستہ اللہ کی طرف لے جائے وہ مذہب ہے۔ اس لئے مانتے ہیں۔ یہی مقصد ہے، باقی کہانیاں بنی ہوئی ہیں۔

تو اگر ہم اسلامی نماز غیروں کو بتائیں کہ تم مذہب کو کیوں لیتے ہو؟ اس لئے نا! تا اللہ کے قریب

ہو جائیں اس سے بہتر رستہ بتاؤ تم اللہ کے قریب ہونے کا۔ اپنی عبادت بتاؤ اور دیکھو۔ تو جو اچھا رستہ ہے، جو جلدی پہنچاتا ہے، جو زیادہ فائدہ دینے والا ہے اس کو پکڑ لو۔ اسلام کی تبلیغ نماز سے بھی ہو جاتی ہے۔ نماز کے شروع حصہ میں (اِنِّیْ وَجَّھْتُ سے) شروع کرو۔ ساری بات اپنی سہیلیوں کو سمجھاؤ۔ تو دیکھو کتنا اچھا پیغام دینے کا طریق ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرو، اس سے تمہیں اللہ مل جائے گا۔

تَعَوُّذ

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾:

مَیں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔

یہ باتیں عورتیں اپنے حوالہ سے سمجھ سکتی ہیں اور مرد اپنے حوالہ سے۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی بچہ جا رہا ہو آپ کی انگلی پکڑ کر۔ وہ دوڑ کے آگے چلا جائے، آگے کتا مل جائے اور وہ کُتّے سے ڈرتا ہو تو وہ تیزی سے واپس آ جائے گا، اور آ کے آپ سے چمٹ جائے گا اور کہے گا کہ مجھے گودی میں اٹھا لو، یہ کتا میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ تو پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے۔

اے اللہ! میں تیری حفاظت میں آ رہا ہوں۔ کس سے؟ شیطان سے۔ کتا چھٹا ہوا ہے ایک، وہ مجھ پر پڑتا ہے بار بار۔ تو مجھے اپنی گود میں اٹھا لے۔ جیسے کتّے سے بچاؤ کے لئے والدین کام آتے ہیں۔ اگر شیطان سے پناہ مانگنی ہو تو اللہ کام آتا ہے، ماں باپ کام نہیں آتے۔ (تو) اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اللہ کی پناہ مانگتی/مانگتا ہوں کہ اے اللہ! جو تیری حفاظت میں آ جائے اس کو شیطان کچھ نہیں کہہ سکتا۔ چونکہ شیطان اللہ سے ڈرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا، اللہ کے قریب بھی نہیں جاتا۔ اسی لئے ''دھتکارا ہوا'' بھی ساتھ کہہ دیا۔ اب کتّے کو کوئی ھش کر کے بھگا دے تو اس کُتّے کو کہتے ہیں ''دھتکارا ہوا''۔ تو اللہ نے جب شیطان کو دھتکار دیا کہ جاؤ، دفع ہو جاؤ، تو شیطان اب اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ اس لئے پناہ کا مطلب ہے کہ ہم اس سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔ اللہ میاں تُو ہمیں سنبھال لے اور شیطان سے بچا جس کو تُو نے دھتکار دیا ہے۔ پس اور جہاں بھی کہیں جائیں شیطان بھی (وہاں) ہو سکتا ہے۔ تیرے پاس نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے معنی ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ کا۔

(اردو کلاس نمبر ۳۱۰، منعقدہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۹۷ء) (بحوالہ اخبار الفضل انٹرنیشنل ۲۸/فروری ۲۰۰۳ء صفحہ ۱۳)

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن ہے، رحیم ہے۔

یہاں صرف دو صفات بیان ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے اللہ کا تعارف کروایا تھا کہ ساری خوبیوں کا مالک، ہر بدی سے پاک۔ اب رَحْمٰن اور رَحِيْم، تیرا نام ﴿اَللّٰه﴾ ساری خوبیاں لئے ہوئے ہے۔

اب ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کے ساتھ دو نام دیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کا نام ایک ہے لیکن اس کے اندر صفات زیادہ ہیں۔ اور جو بنیادی صفات خدا کے اندر ہیں اور جو ساری خدائی صفات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں وہ رَحْمٰن اور رَحِيْم ہیں۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

اللہ کے نام کے ساتھ جو بھی کرو، جو بھی دماغ میں ہو تو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ اس کے لئے کافی ہے۔ اگر تم کھانے لگے ہو تو کہہ دو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾۔ اگر سفر پر جا رہے ہو تو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾۔ اگر کپڑے پہننے لگے ہو تو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾۔ جو کام بھی کرو وہ اسی ایک چھوٹی سی آیت سے ہو جائے اور اللہ کا نام سب کے ساتھ لگ جائے گا۔ اللہ کی جب پناہ مانگی ہے شیطان سے تو اس پناہ کے بعد پھر اللہ سے کچھ حاصل بھی تو کرنا ہے۔ یہ تو نہیں کہ شیطان دوسری طرف چلا گیا تو فٹافٹ گودی سے اُتر کر بھاگ گئے جیسے بچے کرتے ہیں۔ کتا آیا تو دوڑ کے اپنے ابّا امی کے پاس چلے گئے، کتا گیا تو ٹانگیں مار کے اتر گئے فوراً، کہ اب ہمیں جانے دو۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ کے بعد اب اللہ کے ساتھ رہنا ہے۔ شیطان سے جب پناہ مانگی تو اب اللہ کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ اور اللہ کے ساتھ رہنے کے کچھ فائدے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ کام آئے گا۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہہ کے جو مرضی کرو، جو مرضی کھاؤ، جو مرضی پیو، جو مرضی پڑھو، جو مرضی چیزیں اختیار کرو، کپڑے لو، سامان لو، اگر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ پڑھو گے تو تمہارا کام برکت والا ہوگا۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی بُرا کام تو نہیں کر سکتے۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کہہ کے کوئی گندی چیز تو نہیں کھا سکتے۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کہہ کے سود پر قرض نہیں لے سکتے۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کہہ کے کوئی حرام کام نہیں کر سکتے۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ نے

﴿اَعُــــوْذُ بِـاللّٰهِ﴾ کے بعد تمہارا راستہ صاف کر دیا ہے۔ ایسا کر دیا ہے کہ اُس پر اچھے کام ہو سکتے ہیں، بُرے نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ اللہ نے ساتھ لگے رہنا ہے۔

آگے دو صفات ہیں اللہ کی ﴿الرَّحْـمٰـنِ الرَّحِيْـمِ﴾۔ رحمٰن کس کو کہتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ صفات پھوٹ کے بہہ رہی ہیں۔ اللہ کے نام سے شروع ہو کر اللہ کی دو صفات ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ ساری دوسری صفات پر غالب ہیں۔ اور اگر غور کرو تو اِنہی دو صفات میں سے خدا کی ساری صفات مِل سکتی ہیں۔

صفات کس کو کہتے ہیں؟ سننا، بولنا، دیکھنا، گرم محسوس کرنا، ٹھنڈا محسوس کرنا، یہ سب صفات ہیں۔ صفات، صفت کی جمع ہے۔ اس کو Attribute/Quality کہتے ہیں۔ عربی میں صفت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میں جو جو خوبیاں پائی جاتی ہیں اُن کو صفات کہتے ہیں۔

(اردو کلاس نمبر ۳۰۹، منعقدہ ۱۰ را کتوبر ۱۹۹۷ء)

نماز مین جو سب سے مرکزی چیز ہے، جس سے نماز بنتی ہے، جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ قرآن کی ماں ہے۔ اس کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔ ماں کیسے بن گئی؟ چھوٹی سی سورت، سات (7) اس میں آیتیں ہیں کُل۔ مائیں بتا سکتی ہیں کہ یہ مسئلہ کیا ہے؟ کہ قرآن کریم بڑی کتاب، الف سے لیکر س (وَالـنَّـاس کی س) تک، اتنے مضامین سب کچھ اِس میں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورۂ فاتحہ اس کی ماں ہے۔

ماں کا جو Ovum ہے کتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ اس میں سب Blue Print موجود ہوتا ہے۔ اور اس سے اتنا بڑا بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ Blue Print سورۂ فاتحہ ہے۔ خود چھوٹی ہے لیکن اس کے اندر ساری قرآن کریم کی باتیں اور جو مضامین ہیں وہ اس میں موجود ہیں۔ اور اس کے بہت ثبوت ہیں۔ وہ تفصیلی بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔

ماں کے پیٹ میں جو چھوٹا سا بیضہ (انڈا) ہوتا ہے اس کے اندر تصویر درج ہوتی ہے سارے انسان کی جو بعد میں پیدا ہوتا ہے اور بڑا ہوتا ہے۔ وہ خود اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ننگی آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ تو اس طرح چھوٹی چیز بڑی چیز کی امّاں بنتی ہے، اگر اس میں بڑی چیز کی ساری باتیں موجود ہوں۔ جب بچہ پیدا ہو جائے پھر اس انڈے کے اندر جو تصویر خدا نے بنائی ہے وہ کھلنی شروع کر دیتا ہے اور وہ بچہ آہستہ آہستہ جو لوگوں کو دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کے اندر جتنی باتیں ہیں

آنکھیں، ناک، کان، خون، پیٹ، بازو، اندر کی چیزیں گُردے، گلے کے اندر غدودیں، جگر، جتنی چیزیں ہیں ماں کے پیٹ میں، جو بیضہ ہے جس میں بچہ بننا شروع ہوتا ہے مرد کے ذرّے کے ساتھ مل کر۔ یہ بیضہ ماں ہے انسان کی اور انسان کی تمام باتیں اس کے اندر موجود ہوتی ہیں۔

اس طرح سورۂ فاتحہ پر جتنا بھی غور کریں، سورۂ فاتحہ میں قرآن کریم کی باتیں دکھائی دیتی ہیں اور قرآن کریم سورۂ فاتحہ کے مضمون سے زیادہ سمجھ آتا ہے۔

(اردو کلاس نمبر ۳۱۰، منعقدہ ۱۱؍اکتوبر ۱۹۹۷ء)

ایک اور کلاس میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رَحْمٰن کے دو معنی ہیں: (۱) ﴿الرَّحْمٰن﴾ اس ذات کو کہتے ہیں جس سے زیادہ رحم کرنے والا نہ ہو۔ اور (۲) بن مانگے دینے والا۔ کسی نے کچھ نہ مانگا ہو اور پھر بھی وہ دیدے، زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا اسی سے نکلتا ہے۔

﴿الرَّحْمٰن﴾

ایسی ذات جس سے کوئی مانگنے والا ہو ہی نہیں پھر بھی دے دے۔ مائیں بچہ پیدا کرتی ہیں، بچہ ابھی ہوتا ہی نہیں، وہ مانگتا ہی نہیں کہ مجھے پیدا کرو۔ اس لئے ماؤں کے اُس حصہ کو جس میں بچہ بنتا ہے اس کو رِحم کہتے ہیں۔ دونوں کا مادّہ ایک ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ رحمٰن اور رِحم کا مادّہ ایک ہی ہے۔

انسانوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والی ماں ہے اور بن مانگے دینے والی بھی ماں۔ دودھ جب بچہ مانگ نہیں سکتا، کوئی اپنی ضرورت پوری نہیں کرواسکتا، کچھ کہہ نہیں سکتا، وہ پھر بھی وہی کرتی ہے۔ پیدا بھی کرتی ہے، بنا ہی نہیں ابھی، کوئی مانگنے والا ہے ہی نہیں۔

تو رحمٰن کا ایک مطلب ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا، حد سے زیادہ، جس کا تصور بھی نہیں کسی کو۔ اور پھر بن مانگے دینے والا۔ یہ رحمٰن ہے۔ اس لئے جب کہو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ - الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ اس خدا کے کتنے احسانات ہیں۔

﴿رَبِّ الْعٰلَمِینَ﴾

سارے جہانوں کو پالتا ہے۔ ڈائنا سور بھی اسی نے پالا ہے۔ ڈائنا سور کا بن مانگے دینے والے سے کیا تعلق ہے؟

خدا تعالیٰ نے ملین ، بلین سال، بہت پہلے ڈائنا سور کو پیدا کیا۔ زمین بھر گئی اور سمجھ نہیں آتی تھی۔ اگر دیکھتے اور ساری دنیا پر ڈائنا سور تھے بڑے بڑے جیسے G.Park سارے کھارہے ہیں۔ اور پھر کوئی ایسی ہوا بدلی، سمندر پر اوپر سے بارش ہوئی، اجرام فلکی کی، Meteors کی۔ اتنا بڑا meteor سمندر کے بیچ گرا، ایک لائین میں کہ شمال سے جنوب تک ایک طوفان اٹھا ہے سمندر میں اور اس نے لاکھ سال یا شاید اس سے بھی زیادہ ہو یا کم ہو، بہت لمبا عرصہ تک فضا میں دھند طاری کر دی۔ سورج (یعنی سورج کی روشنی) اس سے ٹکرا کر واپس چلا جاتا، نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ نیچے کی گرمی وہاں قید ہو جاتی ہے اور اس طرح فضا بدلی ایسی کہ جن چیزوں پر ڈائنا سور پلتا تھا وہ خشک ہو کر مر گئیں اور ساتھ ہی ڈائنا سور بھی مر گیا۔ سب جب مر گئے۔ یہ آج جو تیل ہم استعمال کرتے ہیں وہ اس ڈائنا سور سے ہے۔

تو وہ جانور جن سے آگے خدا نے زندگی چلائی تھی وہ پہلے جنگلوں میں چھپے ہوئے، دبے ہوئے تھے کہ شکر ہے ڈائنا سور گیا ہے یہاں سے۔ اور باہر نکل کر دنیا میں پھیلے، بڑھے۔ پھر بندر پیدا ہوئے، پھر انسان پیدا ہوا۔ ڈائنا سور کی یہ کہانی بن مانگے دینے والے کے ساتھ اس تعلق میں ہے۔ (اردو کلاس نمبر ۳۰۸، منعقدہ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

سورۂ فاتحہ کی تشریح

﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ میں جو سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے ہے، اس رحمٰن ورحیم کا مطلب زمین وآسمان کو پیدا کرنے اور قانون قدرت جاری کرنے سے ہے۔ اُس اللہ کے نام سے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور ایسے قانون بنائے جو اس کا فضل بار بار آئے۔ ﴿رَحِیم﴾ کا مطلب ہے بار بار رحم کرنے والا۔ مثلاً بیجوں کے موسم ہوتے ہیں، بہار، خزاں، گرمی، سردی، چکر لگاتے رہتے ہیں۔ یہ اس کی رَحیمیت کا چکر ہے۔ زمین میں، فضا میں ہر چیز انسانوں کو دی جوان کے کام آئے۔ سب قانون بنا دئے، بندہ تھا ہی نہیں مانگنے والا۔

﴿رحمٰن﴾ بن مانگے دینے والا۔ جو بن مانگے دینے والا ہے وہ حد سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ گویا سب کچھ دے دیا۔ اگر کچھ بچا کے رکھتا تو رحمٰن نہ ہوتا۔ اس کائنات کو پیدا کرنے کے بعد، بلین (Billion) سال کے بعد جن چیزوں کی ضرورت پڑنی تھی مثلاً کیمسٹری کا نظام، زمین و آسمان کے چکر، موسم کے اثرات، بجلی کا نظام، پہلے ہی پیدا کیں۔ اللہ سے مانگا تو نہیں خود ہی دے

دیا۔ بن مانگے دینے والا اور اتنا زیادہ دینے والا کہ اس سے زیادہ مانگا جا ہی نہیں سکتا، جو سنبھالا نہ جائے۔ اب ایک دفعہ دے دیا تو پھر چھٹی تو نہیں ہوگئی اور اس سے تعلق کے لئے کوئی چیز ایسی چاہئے جن میں کچھ انسانی محنت بھی ہو اور بار بار اس کا فضل ہو۔

﴿رَحیم﴾: رَحیم خدا وہ ہے جو رحیمیۃ کے فضل کو بار بار لاتا ہے۔ بار بار جو لاتا ہے اس میں کچھ محنت آپ کو ڈالنی پڑتی ہے۔ کچھ محنت آپ ڈالیں، نتیجہ خدا تعالیٰ نکالے گا۔ یہ رحمانیت اور رحیمیت کے جُڑے ہوئے سر بنتے ہیں۔

اب سورۂ فاتحہ شروع ہوگئی۔ سورۂ فاتحہ میں بھی ہمیں رَبّ ملتا ہے، رحمان ملتا ہے، رحیم ملتا ہے۔ اس رحمٰن کو سورۂ فاتحہ میں پھر کیوں بیان کیا؟ سوال ہے؟ (اس میں روحانی تحائف کا ذکر ہے، ربوبیت کا بھی ذکر ہے)۔

رحمٰن کی ایک تعریف کائنات کو پیدا کیا، ضرورتیں پیدا کیں۔ لیکن قرآن مجید عجیب کتاب ہے، کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا، ہر چیز اس کے اندر موجود ہوگی۔ اسلئے اس کے متعلق بیان ہے ﴿مَالِهٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا﴾ لوگ کہیں گے قیامت کے دن، عجیب کتاب ہے، چھوٹی اور بڑی چیز نہیں چھوڑی۔

اب رحمان کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہے۔ دنیا کے کسی کتاب میں نہیں جو قرآن کریم میں ہے۔ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ - خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾۔ الرحمٰن میں صرف مادّی کائنات پیدا نہیں کی۔ رحمان نے اس کائنات کو سمجھنے کے لئے انسان کو پیدا کر دیا۔ ﴿اَلرَّحْمٰنُ ..... خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ دنیا کا تمام انسان اگر تخلیق کی بات کرتا ہے تو خالق کی کیا صفت بیان کرتا ہے۔...... دنیا کی کسی کتاب میں رحمٰن کو خلق سے منسوب نہیں کیا، صرف قرآن ہے جو بات رحمٰن کی کرتا ہے اور ساتھ انسان کی پیدائش کی بھی، اس میں کیا حکمت ہے؟ دنیا میں جتنی بھی مذہبی کتابیں ہیں کسی میں بھی نہیں ہے کہ رحمٰن نے پیدا کیا۔ وہ کہیں گے کہ خالق نے پیدا کیا ہے، یا اللہ نے پیدا کیا۔ ایک قرآن ہے جو سب سے ہٹ کر بات کرتا ہے جو کہتا ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ ..... خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ اس میں کیا حکمت ہے؟

پہلی بات یہ کہ رحمانیت کے نتیجہ میں جو کائنات پیدا کی اس کا اعلیٰ مقصد یہ تھا کہ انسان کو پیدا کیا جائے۔ رحمٰن خدا اگر انسان کو پیدا نہ کرتا تو کائنات کا کوئی بھی فائدہ نہ رہتا۔ انسانوں کو

حیوانوں سے نکالنے کے لئے کائنات بنائی۔ ہوشیار سے ہوشیار جانور بھی کائنات کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ رحمانیت کن جگہوں پر جلوہ دکھا رہی ہے۔ انسان ہی ہے جس نے تمام جانوروں کے متعلق مضمون اکٹھے کر لئے ہیں۔ مثلاً کوئی بندر شیر کے متعلق کچھ کہہ سکتا تھا کہ یہ رحمانیت کا چکر ہے؟ کوئی کوّا کسی کتے کے متعلق سوچ سکتا ہے کہ یہ رحمانیت کا چکر ہے۔ اپنی اپنی ذات کے متعلق پتہ ہے لیکن ساری کائنات کا نہیں پتہ۔ انسان کو نکال لو تو اللہ کی رحمانیت ہر جانور کے اندر اتنی اتنی رہ جائے گی کہ کسی کو پتہ نہیں ہوگا کہ خدا نے کیا دیا ہے۔ اس لئے اللہ نے انسان کو پیدا کرنا تھا۔ اس لئے کہ رحمانیت کا یہ جلوہ تھا کہ انسان کو لازماً پیدا کرے کیوں کہ جتنے خزانے ہیں تیل وغیرہ کے، ڈائناسورس، لکڑی، کوئلہ، ہیرے بن گئے وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان سے جانور فائدہ اٹھا سکتا تھا؟ چیزیں بنا دیں اور کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔ مثلاً کیا کسی کتے کے بچے کو ہوائی جہاز چلاتے دیکھا ہے؟ جب خدا کی رحمانیت سے کسی نے فائدہ نہیں اٹھانا تھا تو رحمانیت کس کام کی۔ جتنی چیزیں ہیں سب انسان کے اوپر اکٹھی ہو جاتی ہیں اور وہ ساری کائنات سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ جس پر خدا فرماتا ہے ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ - خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾۔ کوئی کتاب اپنے وجود کو رحمٰن کی طرف منسوب نہیں کرتی کہ رحمٰن نے بائبل اور گیتا اُتاری، کہیں نہیں ملے گا۔ صرف قرآن کہتا ہے کہ ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ اب ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ روحانی کائنات بن گئی۔ وہی رحمٰن جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ وہ رحمٰن جس نے روحانی کائنات کو پیدا کیا۔ اب روحانی کائنات کو سمجھنے کے لئے انسان کو پیدا کرنا ضروری تھا۔ ورنہ کوئی جانور تو قرآن کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اور پہلے انسان بھی نہیں سمجھ سکتے تھے اس لئے ان کی کتابوں میں کہیں دعویٰ نہیں کہ ان کو ہم نے گیتا دی۔ کیوں کہ پورا جلوہ نہیں تھا۔ اور قرآن کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہا کہ قرآن ان کو دیا۔ پہلے انسان عیسائی، زرتشتی، یہودی، ان کو قرآن نہیں دیا، وہ سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اَلْاِنْسَانُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، انسانِ کامل، اس نے بعد میں آنا تھا، جس نے قرآن کو سمجھنا تھا، اس کو قرآن ملنا تھا۔ اب ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ کے دو معنی بن جاتے ہیں۔

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ - خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو بیان کا طریقہ سکھایا۔ اب قرآن کے مضامین اس کی روشنی حاصل کرنا، اس کے حوالہ سے دنیا

میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے ایک دوسرے سے تفریق کر رہے ہیں۔ یہ سب بیان کی باتیں ہیں۔ اور دوسرے بیان میں اپنے مقصد کو واضح کرنا ہے۔ دل کی بات کو کھل کر پیش کریں تو وہ بیان ہے۔ بیان کس کو کہتے ہیں؟ ایک چیز دوسری چیز سے الگ ہو جائے۔ بَـــانَ کا مطلب ہے کُھل کر بیان ہو گئی۔ فرق نمایاں ہے۔ فرق بیّن ہے۔

اس لئے ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ - خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾۔ یہ بیان جو ہے اس کو بولنے چالنے کی تمیز سکھائی۔ اس کو اپنا مقصد بیان کرنا سکھایا۔ اس کو اچھے، بُرے کی تمیز سکھائی۔ اس سب چیز کو بیان کہتے ہیں۔ جو چیز دل کی کُھل کر بیان کریں اس کو کہتے ہیں قوّت بیان یعنی بیان کرنے کی قوّت۔

(اردو کلاس نمبر ۳۱۳، منعقدہ ۲۱/اکتوبر ۱۹۹۷ء) (بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۴/مارچ ۲۰۰۳ء صفحہ ۱۲ تا ۱۳)

اب روحانی کائنات کی باتیں شروع ہوں گی۔ پہلے مادی کائنات کی باتیں تھیں۔

ربوبیت کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی ربوبیت بچے کو کھانا کھلانے کی تھی۔ دوسری جب بڑا ہو تو اٹھنے بیٹھنے کے آداب سکھائے۔ جب ہم کہتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴾ تو ہم دوسری ربوبیت پر آتے ہیں۔ پہلی ربوبیت جانوروں، کیڑوں، مکوڑوں کو کھانا کھلانے کی تھی۔ اب ربوبیت ترقی کر کے علوم کی ربوبیت ہے۔ اور یہ ربوبیت خدا نے سارے جہانوں کے لئے فرمائی ہے۔ وہی مذہب میں بھی ترقی کرتے کرتے اسلام تک پہنچی ہے۔ تہذیب وتمدن میں ترقی کرتے کرتے مختلف تہذیبوں سے گزری۔ انسان نے جو کچھ بھی سیکھا، جو علوم بھی سیکھے یہ رب العالمین کی تعریف کرنے والی بات ہے۔ اور جب ہم یہ کہتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴾ تو ہم دوسری ربوبیت پر آ گئے۔ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴾ پر غور کریں تو سب سے اچھی تربیت قرآن نے کی۔ انسانوں کو انسان بنانے کے لئے جو کچھ چاہئے تھا وہ سب اس میں جمع ہو گیا۔ سب سے اچھی تربیت محمدؐ نے کی اور سب سے زیادہ علوم سکھانے والا نبی محمدؐ ہیں۔

حمد وہی ہے جو اللہ کی ہو۔ اور وہی حمد کے قابل ہے جس کی حمد اللہ نے کی ہو۔ اور اللہ کی حمد کہ اس نے سارے جہانوں کی تربیت کر کے ان کو چھوٹی چھوٹی حالتوں سے ترقی کر کے بڑی یونیورسٹی میں ڈال دیا اور سب سے بڑی یونیورسٹی، قرآن کی یونیورسٹی جاری کی اور اس یونیورسٹی میں سارے علوم داخل کر دئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک بھی کائنات کا علم ایسا

نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں۔ ہر چیز کا ذکر ہے، ہر چیز کی صفت بیان فرمائی، اعلیٰ درجہ کا انسان بننے کے لئے جو کچھ چاہئے تھا قرآن میں جمع ہو گیا۔ تو دوبارہ مضمون شروع ہو گیا۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پھر ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ۔ جب دوبارہ غور کرو قرآن پر، تو رحمٰن کا ایک اور جلوہ نظر آتا ہے، حد سے زیادہ رحم انسان پر کیا کہ بن مانگے اس نے ان کو قرآن دے دیا۔ یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ نے قرآن نہیں مانگا تھا، آپ کو تو پتہ بھی نہیں تھا کہ شریعت کیا ہوتی ہے اور کیا بوجھ پڑتے ہیں۔ جب غار میں وحی نازل ہوئی تھی تو فرشتہ کہتا تھا کہ پڑھ اور آپؐ کہتے تھے کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ کوئی خواہش نہیں تھی۔ رحمٰن خدا نے دو احسان ہم پر کئے۔ ایک یہ کہ بن مانگے قرآن دے دیا اور دوسرے اس کو دے دیا جس سے اچھا کوئی انسان نہیں تھا۔.....

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کے معنی۔ رحیم کے معنی یہ بھی ہیں کہ بعد میں مجدد آتے ہیں۔ رسول اللہ آ کے گزر گئے، تو رحیم خدا پھر مجدد لے کر آیا۔ خدا نے خیال کیا کہ دوبارہ سچا دین مل جائے۔ جب لوگ زیادہ بگڑ گئے تو خدا نے مسیح موعودؑ کو بھیجا۔ انہوں نے دوبارہ قرآن کی تعلیم شروع کر دی۔ یہ معنی ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کے روحانی معنی بن گئے۔

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کس کو کہتے ہیں؟ دین کا مطلب ہے کسی کو کسی کے کام کی جزا دینا۔ مزدور جب مزدوری کرتا ہے تو اس کا یوم الدین کب آتا ہے؟ جب مالک سے اس کو تنخواہ ملتی ہے۔ اس کو دین کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ تم نے کیا اس کا پھل تمہیں ملے گا۔ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کا مطلب ہے کہ ہر چیز کی جزا جب تک خدا نہ چاہے نہیں مل سکتی۔ زمیندار بیج لگاتا ہے، سارا سال محنت کرتا ہے۔ جب آخر پر فصل کاٹنے کے لئے تیار ہے تو ایسا طوفان آتا ہے کہ فصل کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ ایک دانہ بھی اس کو نہیں ملتا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں مالک ہوں اس فصل کا اور ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کا یہ نشان بھی دکھلاتا ہے۔ انسان غفلت میں سمجھتا ہے کہ سب کچھ اس کا ہے۔

اس پر ایک سچا واقعہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ: میں اور خلیفۃ المسیح الثالثؒ دونوں زمیندار تھے۔ شام کا وقت تھا ان کا ٹریکٹر جو فصل کاٹنے کے لئے تیار تھا جو یَوْمِ الدِّيْنِ کے لئے ایک مشین تھی۔ اور میں نے بھی وہی منگوائی تھی۔ ہم دونوں کا خیال تھا کہ اس کے ذریعہ ہم فصل کاٹیں گے۔

گندم اچھی ہوگی میں موٹر پر بیٹھ کر احمد نگر (جہاں زمینیں تھیں) کے لئے روانہ ہوا۔ موسم بھی اچھا تھا۔ خیال تھا کہ مشین ڈالوں گا اور سب کچھ ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔ اتنے میں ایک طوفان اٹھا۔ ابھی تھوڑا آگے گیا کہ آندھی کی طرح خوفناک بگولے اٹھے اور پھر برف کے اتنے بڑے بڑے اولے پڑے کہ صرف اولے تھے، بارش تھی ہی نہیں۔ (حضور نے فرمایا) کہ برف کے اتنے موٹے ٹکڑے پہلے ساری زندگی نہیں دیکھے تھے۔ موٹر کی چھت پر گڑھے پڑ گئے۔ جب میں احمد نگر پہنچا ساری فصل تباہ ہوگئی۔ سارے علاقہ میں ایک دانہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کو کہتے ہیں ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾۔

اور بتاتا ہے کہ آخر وقت تک میں ہی مالک ہوں۔ جب دینے کا وقت آئے گا تو میں دیتا رہتا ہوں تم بھول جاتے ہو۔ جب چاہے نہیں دوں گا۔ وہ رحیمیت لے کر آتا ہے بار بار فضل لاتا ہے۔ انسان بھلا دیتا ہے۔ یہ جزا سزا اس کے قبضہ میں ہے۔ بعض عورتیں ۹ ماہ بچہ پالتی ہیں اور آخر میں وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ وہی ہے۔ قرآن کریم پر غور کرو۔ جب رحمٰن اور رحیم خدا کی یہ ساری نعمتیں اور رحمتیں انسان کے لئے ہیں تو جزا سزا عمل کی وہی دے گا، کوئی اور نہیں دے سکتا۔ اس کو پتہ ہے کہ کیا جزا دینی ہے۔ یہ رحمٰن اور رَحِیم اللہ تک پہنچنے کا رستہ ہے۔

اور ربوبیت کرتا ہے۔ اس کے رستہ سے ہم ربوبیت میں داخل ہوگئے۔ پھر رحمانیت آ گئی، پھر رحیمیت آ گئی۔ ہم رحمٰن اور رحیم خدا سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس نے روحانی اصلاح کے لئے بڑے بڑے پاک بندوں کو بھیجا۔ اگر انسان ان سب سے فائدہ اٹھائے تو پھر بھی آخری نتیجہ خدا ہی دے گا، اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔ اور مالک کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس میں عجیب بات یہ ہے کہ خدا کے نیچے اگر کسی کو مالک بنایا گیا ہے تو وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ربوبیت میں بھی انہوں نے سب سے زیادہ کمال حاصل کیا، رحمانیت اور رحیمیت میں بھی اور مالک آپ کو بنایا گیا کیوں کہ جو انسان کامیاب ہوتا ہے وہ رسول اللہ کے حوالہ سے ہوگا۔ اگر ان کے خلاف آتے ہیں تو کامیاب نہیں ہوگا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی فیض کے لئے اس دنیا میں مالک بنا دئے گئے (اور بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معنی بیان کئے ہیں)۔

قرآن کریم نے ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ کی تعریف بیان کی ہے۔ آیت ہے ﴿ لَا تَمْلِکُ

نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾ قیامت کے دن اللہ فرماتا ہے کہ ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ دن ایسا ہوگا کہ کوئی چیز بھی کسی چیز کی مالک نہیں ہوگی۔ اس وقت خدا کی حکومت کامل طور پر ہوگی۔ یہ ہے ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ -مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾۔

(اردو کلاس نمبر ۳۱۳، منعقدہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۹۷ء)

﴿وَمَآ اَدْرٰکَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ - ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴾(الانفطار: ۱۸، ۱۹)
یہ اللہ نے کیوں فرمایا کہ تمہیں کیا سمجھائیں کہ یَوْمُ الدِّیْنِ کیا ہے؟ کیا اللہ کو سمجھانا نہیں آتا۔ مثال دی کہ اندھے کو روشنی کا بتاؤ کہ ایسی ہوتی ہے۔ وہ نہ سمجھے تو تم کہو گے کہ تم نہیں سمجھ سکتے ....(جو چیز تمہیں عطا نہیں ہوئی وہ تم سمجھ نہیں سکتے)۔ تو ﴿یَوْمُ الدِّیْنِ ﴾ کی تعریف جو ہے اس پر غور کرو تو تمہیں سمجھ آئے گا۔ اس پر غور کرو ﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾(الانفطار: ۲۰) يَوْمُ الدِّيْنِ وہ ہوگا جب کہ کوئی جان بھی کسی کی مالک نہیں ہوگی۔ یہ انسان سوچ نہیں سکتا جب تک خود اس پر نہ گزرا ہو۔ ہماری صفات جو ہم میں ہیں اسی سے تو ہم پہچانے جاتے ہیں۔ کوئی انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ میرا کچھ بھی باقی نہ رہے۔ کیوں کہ سب کچھ خدا کا دیا ہے۔ اگر وہ واپس لے لے تو پھر ہر چیز، ہر جان اُس سے محروم ہو جائے گی جو اس کو زندگی دی گئی، رشتہ دار دئے، یہ یَوْمُ الدِّیْنِ کی تعریف ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ انہوں نے اللہ کی شان نہیں پہچانی ﴿وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ (الزمر: ٦٨) جبکہ زمین کلیۃً اس کے قبضہ میں ہوگی قیامت کے دن۔ ﴿والسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ﴾(الزمر: ٦٨) آسمان اس کے ہاتھوں میں لپٹے ہوں گے۔ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ و مَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾(الزمر: ٦٩) صور پھونکا جائے گا اور ہر چیز جو زمین و آسمان میں ہے غش کھا کر جا پڑے گی۔ ایسا غش ہوگا کہ کچھ بھی سمجھ نہیں آئے گی سوائے اس کے کہ جسے اللہ چاہے گا اس کو بے ہوش نہیں کرے گا۔ پھر دوبارہ بگل بجایا جائے گا تو سارے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾(الزمر: ٦٩) سوائے جسے اللہ چاہے گا، میں کون مراد ہو سکتا ہے؟ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے ساتھ میں نے یہ بات ملائی تھی) اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے اس دن ساری چیزیں واپس مانگے گا جو اس نے دی تھیں۔ رسول اللہ نے سارا کچھ زندگی میں خدا کو دے دیا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ

ایک ذرہ بھی اپنے پاس نہیں رکھا۔تو قیامت کے دن اللہ دوبارہ کیسے مانگے گا۔ یہ مطلب ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں۔ کیوں کہ جب ہر چیز اللہ کے حوالہ کردی، اپنا وجود تک، کچھ نہیں چھوڑا۔قیامت کے دن خدا دوبارہ آپؐ سے نہیں مانگے گا۔اسی لئے مَیں نے اختلاف کیا۔کیوں کہ بہت سے مفسرین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے ہوش ہوں گے، موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہوں گے۔ یہ غلط ہے۔ یہ رسول اللہ پر الزام ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوں گے۔ کیوں کہ جو چیزیں ہوش وحواس میں زندگی میں دے بیٹھے ہوں اللہ دوبارہ کیسے لے سکتا ہے۔ ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ﴾ میں رسول اللہ ہیں جنہوں نے زندگی میں اپنی ملکیت خدا کے حوالہ کردی۔ ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ نماز میں سب سے مشکل کام ہے۔سب سے بڑا وجود جس نے واقعۃً چیزیں واپس کیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام ۱۶۳) تو اعلان کردے کہ میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کا ہوگیا۔ یہ اعلان یہاں ہوا ہے۔قیامت کے دن اللہ کیسے دوبارہ مانگے گا کہ مجھے واپس کردے۔ یہ مطلب ہے ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ کا۔اس نقطہ کو اگر کوئی سمجھا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سمجھے ہیں۔آپؑ فرماتے ہیں یہ وہ رسول ہے جو مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ زمین پر بنایا گیا، ہر چیز اس کے سپرد کردی۔اب جو کچھ کرے گا وہ مالک کے نمائندے کے طور پر کرے گا۔ جو مالک چاہتا ہے وہی کرے گا۔اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ ہوش انہی چیزوں کا نام ہے، جو ہماری طاقتیں ہیں ان کو ہوش کہتے ہیں۔جب ہوش واپس گئی، سب کچھ واپس چلا گیا۔اس لئے ﴿فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ سے مراد ہے کہ پہلا بگل ایسا ہوگا کہ ہر چیز اپنی ہر طاقت سے محروم کردی جائے گی کیوں کہ اصل مالک اللہ ہے جو پہلے واپس کر چکے ہوں گے ان سے نہیں مانگے گا۔

(اردو کلاس نمبر ۳۱۴۔منعقدہ ۲۲/اکتوبر ۱۹۹۷ء) (بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۸/مارچ ۲۰۰۳ء تا ۳/اپریل ۲۰۰۳ء)

سورۂ فاتحہ شروع ہوتی ہے ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ سے۔اس کے علاوہ پہلی آیت

ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ﴾۔

﴿اَلْحَمْدُ﴾ کا مطلب ہے ہر تعریف۔ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں کئی معنی ہیں۔ اَلْ (الف لام) عربی کا ایک لفظ ہے جس کو انگریزی میں The بھی کہتے ہیں۔ یہ Difinite Article ہے انگریزی کا۔ اس The میں کئی معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کا مطلب ہے Perfect Praise چونکہ The بعض دفعہ Perfection کے لئے آتا ہے۔ اور ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کا مطلب ہوا All Praises

اَلْحَمْدُ﴾ کا مطلب The کے حوالہ کے بغیر آپ کو سمجھاتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ کا مطلب ہے سچی تعریف، ایسی تعریف جس کو تعریف کہا جا سکے۔ جیسے کہتے ہیں He is the man۔ یعنی وہ شخص جس میں انسانی صفات موجود ہیں اور اسے The کہا جا سکے He is the man۔ تو لفظ The میں بھی بہت معنی ہیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں اَلْ The سے ملتا جلتا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ﴾ وہ تعریف ہے جو تعریف کہلا سکتی ہے۔ لِلّٰہِ صرف اللہ کے لئے۔ باقی سب تعریفیں جھوٹی، ایک ہی تعریف ہے جو اللہ کی تعریف ہے۔ اور باقی تعریفیں اس ایک تعریف میں شامل ہیں۔ جو چیز بھی حمد کے لائق ہے، خوبی ہے جس میں، جو بھی آپ کو چیز اچھی نظر آئے آپ کہہ سکتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ﴾ ہر اچھی بات خدا سے نکلی ہے اور ہمیں دکھائی دینے لگی ہے، ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہے۔

تو ﴿اَلْحَمْدُ﴾ جو پہلا لفظ ہے اس پر آپ جتنا بھی غور کریں آپ کو مزہ آئے گا سوچ کر کہ سارے قرآن کا خلاصہ تو ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں ہی آجاتا ہے۔ گویا ﴿اَلْحَمْدُ﴾ ایک ایسا لفظ ہے جو ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ کے بعد آتا ہے اور ﴿اَلْحَمْدُ﴾ لفظ پر آپ غور کریں تو اس کے اندر سارا قرآن آجاتا ہے۔ ہر چیز جو دنیا میں تعریف کے قابل ہے اگر وہ خدا سے تعلق رکھتی ہے تو تعریف کے قابل ہے۔ خدا سے دور کسی چیز کی تعریف نہیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کا ایک یہ مطلب ہے اور جتنی بھی تعریف آپ سوچ سکیں جو اچھی سے اچھی چیز آپ سوچ سکیں، اللہ کی وجہ سے اچھی ہے کیوں کہ اس نے بنائی ہے، اس نے پیدا کی ہے۔ اور اگر کوئی انسان اچھا ہوا سے اچھا کیونکر کہیں؟ اس لئے کہ اس میں اللہ کی باتیں ملنی چاہئیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ تبھی کہیں گے اگر اس میں

اللہ کی باتیں موجود ہوں تو پھر وہ اچھا لگے گا۔اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ اللہ کی خوبیاں تھیں۔تو ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی آ گیا۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بات بڑی خوبصورتی سے بیان فرمائی ہے۔آپؑ نے فرمایا کہ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں محمد بھی آتا ہے کیوں کہ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کو پڑھنے کے دوطریقے ہیں:-

(۱)ایک ہے اَلْحَمْدُلِلّٰه سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔

(۲)دوسرا معنی ہے تعریف وہی ہے جو اللہ کرے۔

گویا پہلا معنی یہ ہے کہ ہم جو بھی سچی تعریف کریں گے وہ اللہ کی طرف جائے گی اور دوسرا معنی ہے کہ سچی تعریف اللہ ہی کرتا ہے۔جس کی اللہ تعریف کرے وہ سچا، دوسری تعریفیں جھوٹی۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کی اس لحاظ سے آپ کا نام احمدؐ ہے۔ احمد کہتے ہیں وہ شخص جو کسی اور کی بہت ہی تعریف کرے اور زیادہ تعریف کے نتیجہ میں اللہ نے آپ کا نام احمدؐ رکھا۔تو اللہ کی وہ تعریف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی وہ مکمل تعریف ہے اور انسان کے لئے ضروری ہے۔باقی سب نبیوں کی تعریفوں میں آپ کو کہیں کمزوری دکھائی دے گی۔اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام احمدؐ کے علاوہ محمد بھی رکھ دیا۔چونکہ خدا نے پھر آپؐ کی بہت تعریف کی۔محمدؐ کہتے ہیں جس کی بے حد تعریف کی گئی ہو۔تو اللہ تعالیٰ چونکہ زیادہ جواب دیتا ہے اس لئے لفظ محمدؐ میں زیادہ شدت آ گئی ہے۔کیوں کہ اللہ کسی کا شکریہ نہیں رکھتا۔اللہ جو تعریف بیان کردے وہ انسان کی تعریف کے جواب میں ہوتی ہے اور پھر وہ بہت زیادہ تعریف کرتا ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں موجود ہے اور محمد بھی۔تو اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ سارے قرآن کا خلاصہ تو لفظ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ بن گیا۔سب تعریفیں۔ہر چیز جو کائنات میں اچھی ہے وہ خدا کے لئے ہے۔مکمل تعریف اسی کی ہے۔اس کے سوا کوئی تعریف، تعریف نہیں ہے۔سب سے بڑا تعریف کرنے والا احمدؐ تھا۔سب سے زیادہ تعریف کروانے والا اللہ سے محمدؐ تھا۔تو ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں یہ ساری باتیں آ گئیں۔

اس کے بعد پھر انسان کہتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہیں کیا، صرف آپ پہ بات ختم نہیں ہوئی، اس نے تو سارے جہانوں کی تربیت کی ہے۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ایسی اچھی ہو سکتی ہے تو

سب لوگ پیچھے کیوں رہ گئے۔ ربّ تو وہی ہے۔ رسول اللہ میں کوئی ذاتی خوبی نہیں، اللہ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ تو ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جب کہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ سارے جہان، سب زمانے، ہر چیز کی اس ذات نے ربوبیت کی ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی۔ اگر وہ اتنے بلند ہو سکتے ہیں تو باقی سب کیوں نہ ان کے پیچھے چلیں۔ وہ بھی اسی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ توفیق نہ ہو تو یہ الگ بات ہے مگر رستہ کھلا ہے۔ تو یہ معنی ہیں ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کے۔

اب اس معنی کو سوچنے کے لئے آپ کو ایک زمانہ چاہئے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہر نماز میں ہر دفعہ جب آپ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کہیں تو ساری باتیں دماغ میں آجائیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہر دفعہ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کہتے ہوئے کوئی اچھی بات ضرور سوچ لیتے ہیں۔ اس کا تعلق آپ کے حالات سے بھی ہو سکتا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں ساری دنیا میں جتنی مخلوقات ہیں ان کی ربوبیت اللہ کی طرف چلی گئی اور روزانہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں ہمیں اس کام میں ربّ العالمین دکھائی دینا چاہئے۔ صبح سیر پر جائیں رستہ میں پرندہ دانے چگ رہا ہوتا ہے تو آپ کے دل سے آواز نہیں نکلتی ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾؟ کہ صرف ہمیں رزق نہیں دیتا، ان جانوروں کو بھی رزق دیتا ہے۔ اور جو کیڑا وہ چگ لیتا ہے اس کیڑے کا رزق بھی اللہ کے اوپر ہے۔ وہ جس چیز پر پلتا ہے اس کا رزق بھی اللہ کے اوپر ہے۔ سارے زمانہ کا رزق، اس کو زندہ رکھنا خدا کے سپرد ہے۔ اور جب عالمین دیکھیں تو تمام Universe کے لئے ایک طاقت چاہئے۔ اس طاقت کے بغیر عالمین قائم نہیں رہ سکتے۔ کوئی چیز ان (عالم، دنیا، عالمین، ساری Universe) سب کو Sustain کر رہی ہے، اسے طاقت بخش رہی ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔

تو ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں ایک سائنسدان بھی اپنے بارہ میں سوچ سکتا ہے۔ اس کو کائنات کا کوئی راز پتہ چلے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اس (کائنات) کو Maintan کیا ہے۔ اگر کسی نماز میں وہ یہ سوچ کے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ پڑھے گا، اُس کو اور مزا آئے گا۔ کوئی شخص اپنے متعلق سوچے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کیسی تربیت دی، کیا کچھ کھانے کو دیا، کیسا اچھا بنایا۔ جتنا زیادہ اس کا علم اپنے متعلق بڑھے گا اتنا ہی ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کا معنی بڑھے گا۔ تو یہ پہلی

آیت جو ہے یہی سارے قرآن پر حاوی ہے۔مگر صرف یہی نہیں اور بھی آیتیں ہیں جو اس طرح مضمون کو آگے لے جاتی ہیں۔

جب ہم ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہتے ہیں اس کے بعد کیا کہتے ہیں؟

﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

﴿اَلرَّحْمٰن﴾ کا کیا مطلب ہے؟ بن مانگے دینے والا۔مگر اس سے پہلے ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ میں ﴿اَلرَّحْمٰنِ﴾ آچکا ہے۔اس میں بن مانگے دینے والا، ساری کائنات کو بخشنے والا کے معنی ہیں۔اگر وہ بن مانگے نہ دیتا تو ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کی بات نہ شروع ہوتی۔﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ بتا رہا ہے کہ عالمین پیدا ہو چکی تھیں۔اور ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ میں جو رحمان ہے اس سے ساری کائنات پیدا ہوئی، بن مانگے۔تو قرآن کریم میں اَلْحَمْدُ کے بعد پھر الرَّحْمٰنِ کا دوبارہ کیوں ذکر آیا؟ ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ سورۂ فاتحہ سے پہلے اور باقی سورتوں سے پہلے پڑھتے ہیں۔

﴿اَلرَّحْمٰن﴾

خدا وہ ہے۔﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۞﴾۔رحمان خدا نے ساری کائنات پیدا کی۔قرآن بھی اسی نے سکھایا اور انسان بھی اسی نے پیدا کیا۔﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ تو ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ میں جو تخلیق تھی وہ بن گئی تو پھر ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کی بات شروع ہوئی۔دوبارہ کیوں اَلرَّحْمٰن کہہ دیا؟ قرآن کریم میں رحمان کی طرف دو باتیں منسوب ہوئی ہیں۔(۱) انسان کو پیدا کیا۔(۲) اس نے قرآن سکھایا۔

تو اب قرآن کی بات شروع ہو رہی ہے۔سورۂ فاتحہ نے ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ﴾ جب کہہ دیا تو پھر اَلرَّحْمٰن کہہ کر بتایا کہ جو روحانی تعلق ہے سارا روحانی عالم، یہ بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اور اَلرَّحْمٰن سے متعلق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو بہت جگہ بہت ہی اعلیٰ عرفان کے ساتھ بیان کیا ہے۔فرمایا: ''کون خدا سے قرآن مانگنے گیا تھا؟ کوئی بھی نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود قرآن مانگنے نہیں گئے۔﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾۔یہ رحمان خدا نے قرآن عطا کیا ہے بن مانگے۔دنیا میں کسی انسان نے خدا سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ہمیں قرآن دے۔قرآن کا تو پتہ ہی کچھ نہیں تھا۔تو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمان خدا نے قرآن سکھایا، جو بن مانگے دینے والا ہے۔ پس دنیا کا عالم بھی رحمان خدا نے پیدا کیا اور روحانی عالم بھی اسی نے بنایا۔ یہ وجہ ہے کہ ﴿اَلرَّحْمٰنِ﴾ کی تکرار ہوئی ہے۔

﴿اَلرَّحِیْمِ﴾:

رحمان وہ خدا ہے جس نے قرآن مجید کے تمام احکامات، تمام اچھی چیزیں ہماری فائدے کے لئے بیان کر دیں۔ مگر بیان کرنے کے بعد وہ ہم سے غافل نہیں ہوا۔ رحیم اس بات کو بتا رہا ہے۔

﴿اَلرَّحْمٰنِ﴾ کہتے ہیں وہ ذات جو سب سے زیادہ فضل لیکر آئے۔ اتنا رحم کرنے والی ہو کہ بغیر مانگے دے۔ رحمان خدا نے کائنات پیدا کی ہے۔ ہر موسم اسی نے پیدا کیا ہے۔ آپ بیج بوتے ہیں، ایک موسم ہوتا ہے بیج کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے اگر کوئی چیز بوئی جائے تو وہ اگتی ہے، نشونما پاتی ہے۔ اگر بیج پھینک دیں اور موسم نہ ہو تو پڑا رہے گا۔ مگر گزرا ہوا موسم اللہ دوبارہ لے آتا ہے اور وہ بیج جو پچھلے سال مٹی میں گرایا تھا وہ محفوظ پڑا ہوتا ہے۔ نیا موسم آیا تو بیج پھوٹ پڑتا ہے تو موسم کو بار بار لانے والا ﴿اَلرَّحِیْمِ﴾ ہے۔

اس ہستی کو ﴿اَلرَّحْمٰنِ﴾ کہتے ہیں جس نے پہلی دفعہ اتنا دیدیا کہ جتنی ضرورت ہو سکتی تھی۔ سب کچھ دے دیا۔ رحیم اس کو کہتے ہیں کہ اگر آپ ﴿اَلرَّحْمٰنِ﴾ سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو پھر بھی آپ کی مدد کرے گا۔ ایک سال غفلت کریں، دوسرے سال غفلت کریں، تیسرے سال غفلت کریں، ہمیشہ وہ ایسے مواقع پیدا کرے گا کہ آپ دوبارہ اس کے رحم کو دیکھ سکیں۔ اس کو رحیم کہتے ہیں۔ (اردو کلاس نمبر ۳۱۰-۱۱/اکتوبر ۱۹۹۷ء)

﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾:

اللہ یَوْمِ الدِّیْنِ کا مالک ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے ﴿وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ کہ تجھے کیا بات بتائے کہ یَوْمُ الدِّیْنِ کیا چیز ہے؟ سورۃ فاتحہ میں جو ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ آتا ہے اس کی تشریح جب خدا تعالیٰ نے خود ہی کر دی تو اسی تشریح کو ہمیں پکڑنا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ اپنے اندازے لگائیں کہ یَوْمُ الدِّیْنِ کیا ہوگا؟ کیا ہو سکتا ہے؟ ﴿ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ پھر تمہیں کیا بتائیں، کیسے سمجھائیں کہ یوم الدین کیا چیز ہے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کیوں فرماتا ہے ﴿ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ پہلے تو یہ مسئلہ حل

کرنا ہے کہ کیا اللہ کو سمجھانا نہیں آتا جو کہا کہ تجھے کیا چیز بتائے کہ یوم الدین کیا ہے؟ تجھے کیا چیز سمجھا سکتی ہے اور پھر دوبارہ ہم کہتے ہیں کہ ﴿ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴾۔

اگر آپ ایک اندھے کو مخاطب ہوں جو دیکھ نہیں سکتا۔ آپ اسے سمجھائیں کہ روشنی ایسی ہوتی ہے، ویسی ہوتی ہے۔ پھر اس کو کہیں گے کہ تمہیں سمجھ نہیں آئی، تم سمجھ سکتے ہی نہیں۔ یعنی وہ ہر چیز جو تمہیں عطا نہیں ہوئی اس کو ابھی تم نہیں سمجھ سکتے۔ تو جو تعریف یوم الدین کی آگے ہے اس پر غور کرو، پھر سمجھ آئے گی اس بات کی۔ ﴿ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ۞ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۞﴾(الانفطار:۱۹، ۲۰) یوم الدین وہ ہوگا جب کہ کوئی جان بھی اپنے لئے یا کسی دوسری جان کے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوگی۔ کلیۃً ملکیت Disposes ہوجائے گی۔ انسان اس وقت تک یہ سوچ نہیں سکتا جب تک اس کے ساتھ ایسا واقعہ گزر نہ جائے۔

اگر آپ کی آنکھیں، ناک وغیرہ سب کچھ آپ کے ساتھ نہ ہوں تو آپ بھی مٹ گئے۔ نہ کان، نہ دماغ، نہ عقل، نہ اور کچھ آپ کے قبضہ میں ہو، نہ آپ کے امّی کی چیز آپ کے قبضہ میں ہو اور نہ آپ کسی چیز کے مالک رہیں تو یہ مالک یوم الدین ہے۔ کیسے ممکن ہے یہ؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہماری جو صفات ہمارے پاس ہیں انہی سے تو ہم پہچانے جاتے ہیں۔ کوئی انسان بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ میرا کچھ بھی باقی نہ رہے حالانکہ سب کچھ خدا کا دیا ہوا ہے۔ اگر وہ واپس لے لے تو پھر ہر چیز، ہر جان، ہر اس چیز سے محروم ہوجائے گی جو اس کو دی گئی ہے۔ اس کو زندگی دی گئی، عقل دی گئی، رشتہ دار دئے گئے، اس کو صفات دی گئیں، وہ سب سے خالی ہوجائے۔ ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ کی یہ تعریف ہے جو اتنی خطرناک تعریف ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ ان لوگوں نے اللہ کی شان نہیں پہچانی ﴿وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ جبکہ قیامت کے دن زمین کلیۃً اس کے قبضہ میں ہوگی۔ ﴿والسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ﴾ آسمان اس کے ہاتھوں میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ گویا کہ انسان اور جو چیزیں ان میں ہیں وہ ساری ختم ہوجائیں گی اور کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ اصل آیت جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں وہ ہے ﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ و مَنْ فِی الْاَرْضِ ﴾ جب بگل بجایا جائے گا تو ہر چیز جو زمین وآسمان میں ہے غش کھا کر گر پڑے گی۔ ایسا غش ہوگا کہ کچھ سمجھ نہیں آئے گا۔ ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ سوائے اس کے

جسے اللہ چاہے اس کو بے ہوش نہیں کرے گا۔ ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ﴾۔ پھر دوبارہ بگل بجایا جائے گا۔ تو سارے اٹھ کھڑے ہوں گے۔(الزمر:٦٨،٦٩)

﴿إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ میں کون مراد ہوسکتا ہے؟ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کے ساتھ یہ بات ملائی تھی۔ یعنی اس دن ساری چیزیں جو دی گئی ہیں وہ واپس مانگے گا۔ لیکن جو چیز بطور امانت کے رکھی ہو وہ اگر ایک دفعہ واپس دے دی جائے تو مالک دوبارہ مانگ نہیں سکتا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زندگی میں سب کچھ خدا کو دے دیا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ ایک ذرہ بھی اپنے پاس نہیں رکھا تو قیامت کے دن اللہ دوبارہ کیسے مانگے گا۔ یہ مطلب ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جب آپ علیہ والسلام نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نیچے مالک ہیں کیوں کہ جب آپ نے ہر ملکیت خدا کے حوالہ کردی، اپنا وجود کچھ نہیں چھوڑا۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ آپؐ سے دوبارہ مانگ نہیں سکتا۔ چونکہ اسی دنیا میں پہلے ہی سب کچھ دے چکے ہیں۔

اسی لئے میں نے مفسرین سے اختلاف کیا تھا۔ بہت سے مفسرین لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن جب بگل بجایا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو جائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش نہیں ہوں گے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کا الزام ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہوں کیوں کہ جو چیزیں ہوش وحواس کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں دے بیٹھے ہیں وہ اللہ دوبارہ کیسے لے سکتا ہے۔ تو ﴿إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ 'سوائے اس کے جس سے اللہ دوبارہ نہ مانگے گا'، سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور بھی ہو سکتے ہیں مگر اول طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اس دنیا میں خدا کی ملکیت اس کے سپرد کردی۔ اب نماز میں یہ جو کام ہے بڑا مشکل ہے۔ جب ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہتے ہیں تو بڑی مصیبت نظر آتی ہے۔ یعنی تو اس دن کا مالک ہے جس دن یہ کچھ ہونا ہے۔ ہم بالکل Disposes ہو چکے ہیں۔

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ مان کر ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کو دنیا میں مانگی ہوئی چیزیں واپس نہ کریں تو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہہ کر دعا مانگنے میں خرابی ہے اور یہ وہ کام ہے جو نماز میں سب سے مشکل کام ہے۔ تو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی سب چیزیں آخرت کے دن

سے پہلے پہلے واپس کر دینا کہ سب تیرے حوالے، یہ کوشش جو ہے اس کا نام مذہب ہے۔ سب سے بڑا وجود جس نے واقعۃً واپس کیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

مثلاً میں آپ کو کوئی چیز دوں پھر آپ سے واپس لے لوں۔ آپ نے مجھے واپس کر دی ہیں۔ مالک تھا تو واپس کیں۔ میں آپ سے کہتا ہوں آپ یہ لیں، کھائیں پیئیں، استعمال کریں لیکن جب میں مانگوں واپس کر دیں۔ اگر آپ میرے مانگنے سے پہلے ہی واپس کر دیں تو کیا میں دوبارہ مانگ سکتا ہوں؟

اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں قرآن شریف میں آتا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (الانعام ۱۶۳) یعنی تو اعلان کر دے کہ میری عبادتیں، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا اللہ کا ہو گیا ہے۔ میرے پس کچھ نہیں رہا۔ یہ اعلان اس دنیا میں ہوا ہے۔ اب قیامت کے دن اللہ کیسے دوبارہ مانگے گا کہ مجھے واپس کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ سکتے ہیں کہ تم نے ہی تو کہا تھا کہ اعلان کر۔ اگر تجھے یہ چیزیں وصول نہ ہوئی ہوتیں تو مجھے کیسے اجازت ہوتی اعلان کرنے کی۔ یہ مطلب ہے ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ کا۔ اس نقطہ کو اگر کوئی سمجھا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سمجھے ہیں۔ اور کوئی نہ سمجھ سکا۔ آپؑ نے فرمایا یہ وہ رسول ہے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ زمین پر بنایا گیا۔ چونکہ مالک کے نیچے آ گیا۔ ہر چیز اس کے سپرد کر دی گئی۔ اب جو کچھ وہ کرے گا، مالک کے نمائندہ کے طور پر کرے گا، اپنی مرضی تو نہیں ہوئی۔ جو مالک چاہتا ہے، جو مالک کہے گا وہی کرے گا۔

اللہ نے جو آپ کو آنکھیں دیں، کان دئے، دانت دئے اور جیسی بھی عقل ہے ویسی دی۔ اور اب وہ ساری چیزیں اللہ کو واپس کر دیں کہ یہ اب تیرے سپرد ہیں، جیسے تو کہے گا ویسے استعمال ہوں گی ورنہ نہیں۔ اب تیری مرضی ہے۔ تو کیا خدا تم سے دوبارہ یہ ساری چیزیں مانگ سکتا ہے؟ نہیں۔ تم کہہ سکتے ہو اللہ میاں سب کچھ دے تو دیا ہے۔ تو اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ ہوش انہی چیزوں کا نام ہے، جو ہماری طاقتیں ہیں۔ جب ہوش واپس گئی تو سب کچھ واپس چلا گیا۔ اس لئے ﴿فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ ﴾ سے مراد ہے کہ قیامت کے دن پہلا بگل ایسا ہو گا جس میں ہر چیز اپنی ہر طاقت سے محروم کر دی جائے گی کیوں کہ اس کا مالک اللہ ہے۔ لہٰذا اصل مالک کہے گا کہ مجھے میری چیز واپس کرو۔ جو پہلے واپس کر چکے

ہوں گے ان سے نہیں مانگ سکے گا۔

ہم جب اپنی ملکیت میں سے کوئی چیز کسی کو دیتے ہیں تو پھر واپس مانگنے کا حق نہیں رہتا۔ مگر اللہ نے اس شرط کے ساتھ ہر چیز دی ہوئی ہے کہ میری مرضی سے استعمال کرو۔ اگر میں واپس مانگوں تو واپس دے دو۔ تو کھانا جو کھاتے ہیں اللہ وہ واپس نہیں مانگتا۔ اگر کھانا کھانے کی اجازت ہو پھر کھائیں تو یہ اس کی مرضی ہے، کھانے کی اجازت نہ ہو پھر کھائیں تو آپ نے اس کی مرضی توڑ دی۔ (اللہ تعالیٰ کھایا ہوا کھانا واپس نہیں مانگتا۔ بلکہ اسلام میں یہ منع ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو کوئی چیز دو، پھر واپس مانگو تو یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی الٹی کردے، قے کردے)۔ گویا اللہ کو مونہہ سے مالک کہا، دل سے مالک نہیں مانا۔ جب ہر چیز آپ کی اللہ کی مرضی کے مطابق ہو جائے تو پھر دل سے اللہ کو مالک مانا۔ ان معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو آیت میں نے پڑھی تھی، اللہ کہتا ہے کہ تو ان چیزوں کا مالک نہیں رہا۔ تو نے میری خاطر میرے سپرد کر دی ہیں۔ جب اللہ مان بھی گیا اس دنیا میں ہی کہ میں ہی مالک ہوں تو قیامت کے دن اللہ دوبارہ کیسے مانگے گا۔

﴿یوم الدین﴾ کے سلسلہ میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ اس دن کو کہتے ہیں جب کسی کا اپنا کچھ بھی نہ رہے۔ سب کچھ اللہ میاں کو واپس کر دے۔ ﴿یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ کی کیا تعریف قرآن شریف میں آئی ہے؟ قرآن کریم میں ﴿یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ کو بیان کیا گیا ہے اور ایک ایک آیت سے میں نے اس مضمون کو لیا تھا اور سمجھایا تھا۔ ﴿وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ اے انسان تجھے کیسے سمجھائیں کہ یَوْمُ الدِّیْنِ کیا چیز ہے، تمہیں دوبارہ پھر کیسے سمجھائیں۔ کوئی طریق بتاؤ کہ تمہیں سمجھ آجائے۔ ﴿یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ۝ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ۝﴾۔ وہ دن جب کہ کوئی شخص کسی اور کے لئے کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھے گا۔ اور کوئی جان اپنے لئے بھی کوئی طاقت نہیں رکھے گی۔ ایسا دن چڑھے گا جب کہ آپ کسی کے کام آسکتے ہیں نہ کوئی آپ کی ملکیت میں ہوگا۔ نہ آپ کی اپنی جان، نہ اپنا دماغ، نہ دل، نہ آپ کی طاقتیں آپ کے قبضہ میں ہوں گی۔ ﴿وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ﴾ اس دن سب معاملات اللہ کی طرف واپس چلے جائیں گے۔

(اردو کلاس نمبر ۳۱۹--۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء)

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ- صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾۔

اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا۔ کونسا انعام؟ انعام پانے والوں کا قرآن کریم نے الگ بیان کیا ہے۔ کن لوگوں پر انعام ہوا۔ نبی، صدیق، شہید اور صالح۔ ایک لفظ ﴿اَنْعَمْتَ﴾ میں کتنی ساری زمانے کی کہانی بیان ہوئی ہے۔ جب سے نبی آنے شروع ہوئے ہیں نبیوں کے ساتھ یہ لوگ پیدا ہوتے آئے۔ صدیق، شہید اور صالح۔

نماز میں ہر روز تم لوگ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کہہ کر ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ساتھ ساتھ انعامات مانگ لیتے ہو کہ اللہ ہمیں وہ راستہ دکھا جو نبیوں کا راستہ تھا جس پر چل کر صدیق پیدا ہوئے، جس راستہ پر چل کر شہید پیدا ہوئے، جس راستہ پر چل کر صالح پیدا ہوئے۔

صالح اس کو کہتے ہیں جس کا سارا عمل اللہ تعالیٰ کی نظر میں صاف ستھرا ہو۔ عمل صالح وہ عمل جو اچھا ہو، بُرا عمل نہ ہوا۔ جو سب سے کم درجہ ہے وہ بھی اتنا اونچا ہے کہ بہت بڑا لگتا ہے۔ اس لئے نماز میں جو مانگنا ہے طے کر لیا کرو جو مانگ رہے ہو۔

آپ کہتے ہیں ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام کیا۔ جن پر انعام ملتے ہیں۔ وہ نہیں جن پر غضب ہوتا ہے۔

انعام کس کو کہتے ہیں؟ **نبی:** نبیوں کو ماریں پڑتی ہیں۔ کتنی مصیبتیں پڑتی ہیں۔ یہ انعام مانگنا ہے۔

اگلا انعام: یہ جو چار رستے مانگتے ہو۔ تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ اپنے لئے اتنی مصیبت کیوں لے لیتے ہیں۔ اور ہے انعام۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ کی خاطر جو اتنے دکھ، تکلیفیں اٹھاتے ہیں وہ اللہ کو سب سے پیارے ہوتے ہیں۔ اس لئے نبی بننا کوئی آسان کام نہیں۔ سب سے مشکل کام نبوت ہے اور اللہ فیصلہ کرتا ہے کون اس قابل ہے، کون نہیں۔ وہ تو عام لوگوں کو سمجھ بھی نہیں آ سکتا کہ یہ کیا انعام ہے۔ جو نبی اٹھا اس کو مار دیا، جو نبی اٹھا اس کو گالیاں دی گئیں۔ رشتہ داروں نے بھی چھوڑ دیا، قوم نے چھوڑ دیا، یہ نبوت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ تو پہلا انعام یہ ہے کہ ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام کیا۔ اور یہ مانگتے ہو۔ ڈر جایا کرو تھوڑا سا۔ چونکہ بات بہت بڑی مانگی ہے اور ہمت ہے کوئی نہیں۔ اسلئے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

نَسْتَعِيْنَ ﴾ اس سے پہلے ہے۔(یعنی) تیری عبادت کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ سے ہی مانگتے ہیں۔اگر تو مدد نہ کرے تو سورۃ فاتحہ کی دعائیں ہمیں لگ ہی نہیں سکتیں۔

تو نبیوں کو تو چھوڑو، لیکن صدیق کیا ہوتے ہیں۔صدیق سچائی کا آخری مبالغہ کا صیغہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی ہر بات سچی اور سچائی میں اوپر کے مقام تک پہنچی ہوتی ہے۔اور ان کا ہر عمل سچا اور بات اور عمل میں کوئی فرق نہیں۔ایسے سچے کہ ساری سوسائٹی گواہی دے کہ یہ سچا ہے، وہ صدیق ہوتا ہے۔ہر نبی سے پہلے صدیق ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم بھی صدیق تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی صدیق تھے۔تبھی سارے کہتے ہیں کہ یہ سب سے سچا آدمی ہے۔تو صدیق کی سچائی روشنی بن کر پھیل جاتی ہے۔صدیق ایک لیمپ کی طرح جلتا ہے ارد گرد اندھیرے کو روشن کر دیتا ہے۔اور لوگ کہتے ہیں یہ صدیق ہے، یہ صدیق ہے۔اور پھر اللہ تعالیٰ بعد میں نبی بناتا ہے۔لوگ اس لیمپ کو پھونکوں سے بجھانے لگ جاتے ہیں کہ ہم اس کو بالکل نہیں مانتے، اس کو بجھا دو۔اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے یہ چراغ نہیں بجھے گا۔کبھی نہیں بجھنے دوں گا۔یہ ہے صدیقیت۔

اس سے نیچے شھید: شہید کیا ہوتا ہے؟ کیوں کہ یہ بھی تو مانگا ہے کہ شہید بنادے۔شہید کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا۔جب قتل ہونے کا وقت آئے تو پتہ نہیں کتنے لوگ بھاگ جائیں، مگر مانگتے یہی ہیں اللہ میاں سے۔تو جو مانگتے ہوں اور وقت پر پیچھے ہٹ جائیں وہ صدیق تو ہو ہی نہیں سکتے نا۔اور شہید بھی نہیں ہو سکتے۔

اس سے نیچے اتر آؤ''صالح'': صالح بن سکتے ہو سارے۔صالح کا مطلب ہے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، کبھی دھوکہ نہ دیا ہو، کسی سے پیسے نہ کھائے ہوں، نمازیں باقاعدگی سے پڑھی جائیں۔اس کا عمل نیک، پاک، صاف ستھرا ہو۔وہ بننے کے لئے بھی بڑی محنت چاہئے۔اس لئے نماز ضروری ہے۔پانچ وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا ضروری ہے۔اگر یہ نہ کرو تو صالح بھی نہیں بن سکتے اور لوگوں کو صالح بننے کی بھی توفیق نہیں ملتی۔

ایک انعام اللہ میاں کا یہ بھی ہے کہ کھانا دیتا ہے سب کو ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْن﴾ ہے۔یعنی سارے جہان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے۔سارے جہان کے لوگوں کو، جانوروں، پرندوں، کیڑوں مکوڑوں کو اللہ میاں کچھ کھانے کو دیتا ہے تو زندہ ہیں۔

(اردو کلاس نمبر ۳۰۸-- منعقدہ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

﴿غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ﴾

مغضوب کا کیا مطلب ہے؟ جس پر غضب ہو اُسے مغضوب کہتے ہیں۔لیکن کس کا غضب؟ اس کا ذکر نہیں۔اس کے علاوہ سب جگہ پر فاعل کا ذکر ہے۔﴿صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ﴾۔ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔لیکن ﴿غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ﴾ میں یہ ذکر ہی نہیں کہ کس نے غضب کیا۔اس لئے ہمیشہ آپ کے ترجمہ میں یہ غلطی ہوتی ہے یہاں تک کہ قرآن کریم کے ہمارے ترجمہ میں بھی یہ غلطی موجود ہے۔یہ ذکر ہی اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ کس کا غضب ہوا۔بلکہ یہ فرمایا کہ ایک ایسی قوم کا رستہ نہ دکھا جس پر غضب نازل ہوا،غضب نازل کیا گیا،سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ سورۃ فاتحہ میں یہ نہیں فرمایا کہ صِراطَ الَّذینَ غَضِبْتَ عَلَیۡہِمۡ یعنی ان کا راستہ نہ دکھا جن پر تو نے غضب نازل کیا۔جبکہ انعمتَ فرمایا کہ تو نے انعام کیا۔

اور پھر ﴿اَلضَّآلِّیۡنَ﴾:وہ لوگ جو خود ہی گمراہ ہو گئے۔اس میں فاعل موجود ہے لیکن مغضوب میں کوئی فاعل نہیں ہے۔

﴿الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ﴾ سے مراد:ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب نازل کیا گیا،جن پر غضب کیا گیا،جن کو سزا دی گئی۔لیکن کس نے سزا دی،کس نے غضب کیا،اس کا کوئی ذکر نہیں۔

قرآن شریف سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا بار بار ان پر اپنا غضب نازل کرے گی۔اور بار بار ان کو انسانوں کے ہاتھوں سزائیں دی جائیں گی۔یہ قرآن کریم نے خوب کھول دیا ہے۔تو جب انسانوں کے ہاتھوں سزائیں دینا ان کا مقدر ہے تو اللہ تعالیٰ غَضِبْتَ نہیں کہہ سکتا تھا۔چونکہ دونوں سزائیں قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

(۱)اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سزا ملے گی۔

(۲)انسانوں کے ہاتھوں سے بھی سزا ملے گی۔

جس طرح جرمنی میں ہوا۔کیسے ہوا تھا؟ نازی قوم یہود یوں پر عذاب بن کر اتری اور آجکل انگلستان میں ٹیلی ویژن پر یہ پروپاگینڈا خوب دکھایا جا رہا ہے کہ نازی جرمنی نے یہودیوں پر بہت ظلم کئے۔لیکن انگلستان کے ٹیلی ویژن دوسری بات نہیں بتاتے آپ کو۔یہی انگلستان ہے جہاں نازی ظلموں سے پہلے انگریزوں نے ان (یہودیوں) پر ظلم کئے اور یہودیوں کو انتہائی ذلیل کیا جاتا

تھا۔گلی گلی ان پرظلم ہوتے تھے، ان کو مارا جاتا تھا، ان کی جائیدادیں لوٹی جاتی تھیں اور یہ نیکی سمجھی جاتی تھی۔اس سے پہلے ان پر سپین میں بھی ظلم ہوا۔خود عیسائی دنیا کے ہاتھوں مظالم ہوئے۔اور آج کل جرمنی کو بدنام کرنے کے لئے وہاں ٹھہر جاتے ہیں۔یہ نہیں بتاتے کہ یہود کی قسمت یہی ہے۔جب سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی ہے اس کے بعد سے آج تک مختلف دور آتے رہے۔اور ہر دور میں یہودیوں پرظلم ہوئے۔اور انسانوں کے ہاتھوں جو غضب ہوا اس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ انسانوں کے ہاتھوں تم پرظلم کئے جائیں گے۔یعنی غضب نازل کیا جائے گا۔

اور یہ پیشگوئی اتنی شان سے پوری ہوئی کہ ساری تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کا وعدہ سو فیصد سچا نکلا۔اگر بندہ کی بنائی کتاب ہوتی تو یہ باریک فرق نہ پڑتے۔اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں ﴿اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ کے بعد ﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ﴾ کہہ کر اتنے اعلیٰ طریقہ سے مضمون بیان کردیا تھا مگر ترجمہ کرنے والوں نے اس کو پھر بگاڑ دیا۔

تو دعا یہ بنی کہ جو مغضوب بنائے گئے، جن پرغضب کئے گئے، ایسے لوگوں کا رستہ نہ دکھا۔اب اس کا یہاں کیا موقع ہے؟ ﴿صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ تو کہہ دیا تھا ہم نے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ کا مطلب ہے ہمیں ایسے لوگوں کا رستہ دکھا جن پر تو نے انعام نازل فرمایا۔تو اس میں استثناء کیوں کیا گیا ہے۔اللہ کو تو پتہ ہے نا! کہ کن پر انعام کیا۔تو اُسے سمجھا کیا رہے ہو تم لوگ؟ کہ ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پرغضب نازل ہوا۔اس کا کیا مطلب ہے۔

کیوں کہ یہود خود بھی اَنۡعَمۡتَ کے اندر آتے ہیں۔کیوں کہ اسلام سے پہلے یہودیوں پر انعام ہوا تھا اور قرآن کریم اس ذکر سے بھرا پڑا ہے۔تو جب ہم انعام والوں کا راستہ مانگتے ہیں، اس میں یہود بھی آتے ہیں تو بات مبہم ہو جائے گی۔انعام والا رستہ ان سب میں قدرِ مشترک ہے۔سب نبیوں کی قوموں کا راستہ ان کا راستہ ہے جن پر انعام ہوا۔تو یہ کہہ تو دیا کہ اے خدا ہمیں انعام والا رستہ دکھا لیکن جن پر انعام ہوا پھر جب وہ بگڑے تو ان کا رستہ نہ دکھا۔

بچوں کو سمجھانے کے لئے مثال دیتے ہوئے حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔
تم کسی پر انعام کرو، اسے اچھا کھانا کھانے کے لئے دو، تم نے کیا کِیا؟ انعام کِیا۔وہ اچھا کھانا

طریقے سے کھاتے رہیں۔ کچھ بچّے ہوتے ہیں جو کھانے میں گند ڈالدیتے ہیں۔ جو بچے ایسے ہوتے ہیں جو کھانے میں گند ڈال دیں اُن کو کان سے پکڑ کر باہر نکال دیتے ہیں۔تو شروع میں دونوں پر انعام ہوا تھا۔ یہ ہمارا جلیس ہے نا، (حضور رحمہ الله کا کم عمر نواسه مراد هے عزیزم جلیس جو مکرم کریم احمد خان صاحب اور صاحبزادی مونا سلّمها الله تعالیٰ کا بیٹا هے۔ مرتّب) اس کو پلیٹ میں اچھا کھانا لگا دو، پانی دو، کچھ دیر کے بعد دیکھو تو پانی میں کھانا ڈال دیتا ہے، تو ہم اسے کان سے پکڑ کر باہر نکال دیتے ہیں۔اسی طرح جن لوگوں پر خدا نے انعام فرمایا جب انہوں نے اپنا گند بیچ میں ملا دیا تو ان کو خدا الگ کر دیتا ہے۔ اللہ میاں کہتا ہے ان کا رستہ نہ مانگنا۔ انعام شروع میں برابر سب پر لیکن کوئی شرارت شروع کر دے اور انعام سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور اپنے انعام کو گندہ کر دے، اس کو پھر کان پکڑ کر ایک طرف کر دیا۔تو ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ''ہم نے جہانوں پر ان کو فضیلت بخشی''۔ایسے انعام کئے کہ ساری دنیا پر ان کو فضیلت بخشی ۔ وہ فضیلت جو قرآن کریم میں آتی ہے ابھی تک یہود میں موجود ہے۔ان کو بڑے بڑے دماغ دیئے، چوٹی کے سائنسدان، چوٹی کے مفکر، بہترین دنیاوی علوم میں اور اموال پر قبضہ کرنے میں یہ بہترین دماغ رکھتے ہیں۔امریکہ کتنا بڑا ملک ہے اس پر جا کے قبضہ جما لیا۔عملاً امریکہ پر اسرائیل حکومت کر رہا ہے۔کہنے کو امریکہ حکومت کر رہا ہے لیکن وہاں کے سیاستدانوں کی مجال نہیں کہ کوئی ایسا فیصلہ کریں جو اسرائیل ناپسند کرے۔تو یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کو قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ ''ہم نے تم کو سب جہانوں پر عزت دی''۔ وہ عزت ابھی تک دنیا کے لحاظ سے سب جہانوں پر ہے لیکن وہی عزت ہے جو آگے مَغْضُوْب ہونے کی وجہ بن جاتی ہے۔جتنی بڑی ترقی ہوتی ہے اتنا زیادہ ان کی حرص بڑھتی جاتی ہے، اتنا زیادہ لوگوں پر قبضہ زیادہ جماتے ہیں۔تعداد تھوڑی ہے اور طاقت تعداد سے بہت بڑھ جاتی ہے۔امریکہ کے آبادی کے مقابلہ پر تھوڑی سی تعداد ہے، معمولی ہے۔ مگر جب قبضہ وہ سختی سے جما لیں تو پھر رفتہ رفتہ دلوں میں نفرت پیدا ہونے لگتی ہے، ایک ردّ عمل شروع ہو جاتا ہے۔

اب یہ قرآن ایک کھلی کتاب ہے۔ یہ یہود پڑھتے ہیں لیکن اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ اپنی اصلاح کر لیں۔ پھر وہی سختی کرتے ہیں جیسے فلسطینیوں پر ہوتی رہی ہے۔اُنہوں نے ایک مارا،

اِنہوں نے سو مار دیا۔ گویا جرم کو سختی سے دبانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن قدرت کا قانون آزاد ہے۔ وہ اپنا کام کرتا ہے۔ قرآن کریم کی یہ بہت بڑی خوبی ہے اور تم لوگ سورۂ فاتحہ میں روزانہ پڑھتے ہوا ور آنکھیں بند کرتے ہو۔ ﴿اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ﴾ میں یہودی پہلے شامل تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تمہیں دنیا جہان کی فضیلت بخشی لیکن جب انہوں نے اپنے انعام کو گندہ کر دیا، گند ملا دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اب تمہیں سزا ملے گی۔ اور ایسی سزا ملے گی جو خدا کے ہاتھوں بھی ملا کرے گی جو ضروری نہیں اس دنیا میں ملے، آخرت میں بھی۔ لیکن کس دنیا کے ہاتھوں ملے گی؟ جس پر تم نے قبضہ جمانے کی کوشش کی، بار بار تمہیں خیال آئے کہ اب ہم یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اب ہم قبضہ کرلیں۔ اور پھر بار بار ایسا ردّعمل ہوگا کہ وہ قبضہ ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ یہود کی ساری تاریخ کا یہ خلاصہ ہے۔ سارا یورپ آپ کھنگال کر دیکھ لیں۔ ہر ملک میں کہیں نہ کہیں یہود پر ظلم ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے قبضہ کو بڑھانے کی کوشش کی۔

شروع میں سب کو بہت اچھے لگے، قابل لوگ ہیں، مختلف سائنسز (Sciences) لیکر آئے، مختلف علوم میں ترقی کی، جن ممالک میں گئے ان ممالک کو فائدہ پہنچایا۔ جرمنی جوان کے پیچھے پڑا اس سے پہلے ان کے سائندانوں نے، ان کے دانشوروں نے جرمنی کو بہت فائدہ پہنچایا۔ لیکن جب قبضہ شروع کر دیا تو پھر ان کو نکال کے باہر مارا۔ یہ معنی ہے مغضوب کا۔ یہ وجہ ہے، اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''تو نے غضب نازل کیا''۔ بلکہ فرمایا یہ ایسے لوگ ہیں جن پر غضب نازل کیا جاتا رہا۔ اس لئے کہ قرآن نے فرمایا تھا کہ لوگوں کے ہاتھوں غضب نازل ہوگا۔ اس لئے غَضِبۡتَ نہیں کہہ سکتے تھے۔ غَضِبۡتَ کا مطلب ہے ''تو نے غضب نازل کیا۔''

(اردو کلاس نمبر ۳۱۲)

سورۂ فاتحہ کے بعد تلاوت قرآن

سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی دو رکعتوں میں سورتیں پڑھی جاتی ہیں اور اصل میں قرآن شریف کا یہ حکم ہے کہ ﴿فَاقۡرَءُوۡا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ﴾۔ کسی کو جو بھی قرآن میں سے میسر ہو وہ اس میں پڑھے۔ اس لئے اَور اَور سورتیں پڑھنی چاہئیں۔ ﴿قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ﴾ کو ہی نہیں دہرانا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنی چاہئے کہ سورتیں یاد ہوں خواہ چھوٹی چھوٹی سورتیں ہوں۔ ہر نماز میں کچھ بدل بدل کر پڑھا کریں۔ بہت لمبی ضروری نہیں ہیں۔ اگر لمبی سورتیں یاد نہ ہوں تو کسی سورت

کی کچھ آیتیں یاد کر لیا کریں۔ مثلاً آیت الکرسی ہے۔ ایک ہی آیت ہے۔ اور اتنی لمبی ہے کہ کسی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھیں تو کافی ہے۔ پھر اس طرح کی بعض آیتیں جن کا ترجمہ آپ نے یاد کیا ہوا ہو، آپ کے دل کو وہ آیتیں اچھی لگیں ان کا اثر پڑے تو وہ یاد کر لیں۔ تو اپنی نمازوں کو مختلف قرآنی آیتوں سے سجائیں، پھر نماز کا مزہ آئے گا، ورنہ روٹین ہو جاتی ہے۔ آمین اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُواً اَحَدٌ ۞﴾ بچے فٹافٹ پڑھ کر تو چھٹی کرتے ہیں۔ اور دماغ میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ سوچ کے اس کے معانی نکالیں۔ فوراً ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ ......﴾ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ یوں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

جیسا کہ قرآن کریم کا حکم ہے نمازوں میں کوشش کریں کہ سورتیں بدل بدل کر پڑھیں۔ اس لئے میں نے سارے ہفتہ کے نمازوں کی ایک ترتیب بنائی ہوئی ہے کہ صبح کی نماز میں یہ سورتیں بدل بدل کے، ظہر وعصر کی نمازوں میں اپنے طور پر جو پڑھتا ہوں۔ مغرب وعشاء میں آپ سنتے ہیں کہ ہر روز کوئی نہ کوئی سورت بدلتا ہوں۔ تو اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جس دن بھی بدل کے آپ ایک سورت پڑھتے ہیں تو اس سورت کے مضمون کا دوبارہ ایک مزہ آتا ہے، اور سمجھ آتی ہے۔ اس لئے ساری جماعت کو میں نے یہ نصیحت کی تھی کہ کم سے کم جو سورتیں میں پڑھتا ہوں اس کا معنی تو سیکھ لیں۔ اگر ان کا ترجمہ سیکھ لیں تو پھر ان کا بھی دل چاہے گا کہ وہ ان کو یاد کر لیں۔ جو زیادہ لمبی ہیں ان کو بیشک نہ یاد کریں۔ کچھ آیتیں ضرور یاد کر لیں۔ اس سے آپ کی پانچ نمازوں میں الگ الگ سورتیں پڑھی جائیں گی۔ اگلے دن کی پانچ نمازوں میں الگ سورتیں پڑھی جائیں گی، اس سے اگلے دن پانچ نمازوں میں الگ۔ تو ہفتہ کی بعد ہفتہ کی طرح آپ کی سورتوں کا بھی ایک چکر بن جائے گا۔ یہ بڑا ضروری حصہ ہے۔ کتابوں میں جب پڑھتے ہیں۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ ......﴾ لکھا ہوتا ہے۔ صرف یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے نماز پڑھتے وقت آپ کو جو بھی سورۃ یا کسی سورۃ کی کچھ آیتیں یاد ہوں وہ پڑھا کریں۔ ان آیتوں کو آہستہ آہستہ یاد کریں، رفتہ رفتہ یاد کریں اور اپنا مضمون خود تیار کریں۔ آپ کے مضمون کا عنوان ہوگا کہ میں نے کونسی آیتیں سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھنی ہیں۔ ان آیتوں کو یاد کریں جن کا مزہ آئے اور دل پر بہت اثر ہو۔ ایک دفعہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ ......﴾ پڑھ لی دوسری دفعہ وہ پڑھ لی۔ پھر کچھ اور آیتیں چن لیں۔ تو ایک سال کے اندر ہمارے سارے اردو کلاس کے بچے اور جو بھی آپ کی وجہ سے باہر (دنیا میں) دین کی باتیں سیکھ

رہے ہیں، اپنی نمازوں میں مختلف سورتیں پڑھنے کے عادی بن جائیں گے۔لیکن شرط ایک ہے کہ ترجمہ آنا ضروری ہے۔اسے اچھی طرح یاد کریں۔

آپ نے صبح کی نماز کے بعد قرآن پڑھنا ہے۔نماز کے بعد اگر قرآن کریم ضرور پڑھیں تو اس سے قرآن کریم کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔اور سارا دن پھر اچھا گزرتا ہے۔فیصلہ کریں کہ نماز کے بعد قرآن ضرور پڑھنا ہے۔اور قرآن پڑھنے کے بعد پھر اس کے معانی بھی دیکھا کریں۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ والا قرآن پکڑیں، پہلے عربی میں تلاوت کی پھر اس کا ترجمہ دیکھ لیا۔اس طرح آپ کو وہ آیتیں بھی مل جائیں گی۔آپ کا دل چاہے گا کہ میں ہر روز پڑھا کروں۔بعض آیتیں بعض دفعہ دلوں پر بہت اثر کرتی ہیں۔قرآن کریم میں بھی لکھا ہے کہ بعض آیتیں ایسی ہیں کہ جن سے جسم میں جھرجھری آجاتی ہے، دل دھڑکنے لگ جاتا ہے، جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔تو یہ ایسی آیات ہیں جو پڑھتے پڑھتے آپ کو ملیں گی۔اور آپ کو سمجھ آجائے گی کہ واقعی یہاں پہنچ کر تو دل دہل گیا۔پھر ان کو یاد کرکے اپنی سورتوں میں اضافہ کریں۔اور اپنی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد آپ اس طرح ان آیات کو پڑھیں کہ یہ بہت اچھا مشغلہ بن جائے گا۔اور آئندہ پھر ہماری نسل جو ہے وہ اپنے بچوں کی تربیت اچھی کر سکے گی۔بہت فائدہ ہوگا۔

پہاڑی علاقہ کی ایک سیر کے دوران پہاڑیوں پر چڑھنے کے ذکر کے بعد فرمایا:

نماز میں بھی اس طرح جگہ جگہ پہاڑیاں آئیں گی۔ان پر زور سے چڑھنا پڑے گا۔اور میں نے جو باتیں آپ کو بتائی ہیں، یہ پہاڑیاں ہیں۔ہر پہاڑی پر جب آپ چڑھیں گے تو پھر اور ایک پہاڑی آئیگی۔اس پر آپ چڑھیں گے تو پھر ایک اور پہاڑی۔یہاں تک کہ آپ کی نمازیں بہت اونچی ہوجائیں گی۔اتنا اونچی کہ لوگوں کی نمازیں آپ اوپر سے یوں نیچے دیکھیں گے کہ وہ وہیں بیٹھے ہیں، ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ ......﴾ پر ہی صرف۔اور آپ لوگ کتنا اونچا نکل جائیں گے۔تو نماز اسطرح یاد کریں کہ سب دنیا آپ کو دیکھ کر فائدہ اٹھائے۔جن رستوں پر آپ چلیں وہ بھی آپ کے پیچھے چلیں۔اور جو بچے آگے ہوں گے ان کے مزے ہوں گے۔ان کی امّیاں اتنی قابل ہوں گی وہ بچوں کو خوب پڑھائیں گی تو ہماری اگلی نسلیں کتنی اچھی ہوجائیں گی۔اور پھر اس سے اگلی نسلیں، پھر اس سے اگلی نسلیں، اگلے سو سال تک پھر آپ لوگوں کے بچے آپ کا سیکھا ہوا کھائیں

گے۔ بہت اچھی تربیت ہوگی۔

رُکُوع

سورۂ فاتحہ اور دوسری آیات کے بعد اللہ اکبر کہہ کے جھکتے ہیں۔ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم''۔

اول تو یہ کہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' کیوں پڑھتے ہیں؟

سورۂ فاتحہ اور قرآن کریم اس سے پہلے کھڑے ہوکر پڑھتے ہو، اگر اس کا ترجمہ آتا ہو اس کا دل پر اثر ہو، پھر رکوع سچا ہوگا۔

پہلے ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ .....'' کہتے ہیں۔ یعنی اے اللہ تو ہر کمزوری سے پاک ہے اور جب تم کہتے ہو ''سُبْحَانَ رَبِّی...'' تو اس کا مطلب ''جہانوں کا ربّ کمزوری سے پاک'' نہیں ہے ''میرا ربّ کمزوری سے پاک'' ہے۔ پہلے تو کہا تھا سب جہانوں کا۔ ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ و تَبَارَکَ اسْمُکَ ...' یہ سب غائبانہ باتیں ہیں۔ مخاطب کرکے خدا کو کہتے ہیں، مگر ربُّ العٰلمین ، ہے۔ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں آپ نے اس کو اپنایا ہے،' ہم تیری عبادت کرتے ہیں،۔

ربّ تو کسی کا بھی ہو عظیم ہے لیکن یہاں سُبْحَانَ رَبِّی اس لئے کہتے ہیں کہ جو باتیں ہم نے اپنے ربّ کی سورۂ فاتحہ اور تلاوت میں دیکھی ہیں اس کے بناء پر ہم گواہی دے سکتے ہیں کہ میرا ربّ پاک ہے۔ اور جب آپ کہیں کہ ''میرا ربّ عظیم ہے'' تو اس کا کیا مطلب بنے گا؟ جب میرا ربّ عظیم ہے تو مجھے بھی عظیم ہونا چاہئے۔ جس عظیم کا میں بندہ یا بندی ہوں تو مجھے بھی ویسا بننا چاہئے۔

عظیم کس کو کہتے ہیں؟ اَعْظَم کس کو کہتے ہیں؟ کبھی غور کیا۔ اعظم کہتے ہیں، سب سے بڑا۔ لیکن اللہ کے لئے اعظم کا لفظ نہیں آیا بلکہ عظیم کا لفظ آیا ہے۔ عظیم اسے کہتے ہیں کہ جس کے بعد، جس کے اوپر، جس سے بڑا ہو ہی نہ سکے۔ پہاڑوں کا ایک سلسلہ دیکھو، پہاڑوں کی چوٹیوں بنی ہوئی ہیں، ان پر غور کرو۔ بعض اوقات انسان کہتے ہیں، بڑا عظیم سلسلہ ہے، دنیا بڑی عظیم ہے۔ جب عظیم کہتے ہیں تو عظیم کے اوپر اَعْظَم ہوتا ہی کوئی نہیں۔ وہ اپنی ذات میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اس نے ساری کائنات کو بھرا ہوا ہے۔ یہ ساری سمتیں جو ہیں وہ ساری عظیم کے اندر آجاتی ہیں۔ انسان ہو، حکومت ہو، ملک ہو، کہتے ہیں بڑا عظیم ہے۔ اس کے

بعد یہ خیال نہیں آ سکتا کہ اس کے بعد بڑا کون ہے؟ جس کو آپ نے **عظیم** کہا، وہی سب سے بڑا بن جاتا ہے۔ عظمت میں سارا پھیلاؤ زمانہ کا ہے۔ اور اگر بلند کہنا ہو تو اس کے لئے **اَعْلیٰ** کہیں گے۔ تو رکوع میں "**عظیم**" کہتے ہیں۔ خدا کی صفات ایسی ہیں جنہوں نے سب چیزوں کو ڈھانپا ہوا ہے۔ اس کی عظمت سے کوئی چیز خالی نہیں رہی۔ وہ بہت بڑا ہے اور اس کا پھیلاؤ بہت ہے۔ یعنی Space میں کوئی چیز بھی اس سے بڑھ کر نہیں۔

اور جب اس کی بلندی کا ذکر کریں گے کہ اونچا ہے تو کیا کہیں گے؟

"**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی**" سجدے میں جا کے اعلیٰ ہوتا ہے۔ اب نماز کی یہ ترتیب دیکھیں کتنی پیاری ہے۔ رکوع میں آپ جھک کے چاروں طرف پھیل جاتے ہیں اور اس وقت "**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم**" کہتے ہیں۔ اور جب سب سے نیچے گر جاتے ہیں، سر نیچے لگا دیا تو "**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی**" کہتے ہیں۔ تو **عظیم** اور **اعلیٰ** کیسے موقع پر اللہ نے استعمال فرمایا ہے۔ رکوع میں **عظیم** کہا' کہ عظمتیں حاصل کرو۔ اور سجدے میں اعلیٰ کہا، بلندی حاصل کرو۔

پہلے ہر بات پوزیشن بدلنے کے لئے، **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہا کرتے تھے۔ ہر رکعت میں آپ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہتے ہیں۔ اب جب کھڑے ہوتے ہیں رکوع سے تو امام کہتا ہے: **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ** اور مقتدی کہتے ہیں **رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ**۔

اب رکوع میں "**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم**" پڑھا، پھر کھڑے ہو کر امام **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ** کہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ نے سُن لی اس کی جس نے اس کی حمد کی۔ اب رکوع میں تو **سُبْحَانَ** کہا ہے، رکوع میں حمد کوئی نہیں کی۔ اصل میں **عظیم** اس کی حمد ہے۔ اور **سُبْحَانَ** یہ بتاتا ہے کہ جو عیبوں سے پاک ہے **حمد** بھی رکھتا ہے۔ تو کسی کی **حمد** کرنی ہو تو دو لفظوں میں اس کی ساری **حمد** ہو سکتی ہے۔ یا **عظیم** کہیں گے یا **اعلیٰ** کہیں گے۔ رکوع میں آپ نے **عظیم** والی حمد بیان کی ہے۔

اب حمد اور سورۂ فاتحہ کا سارا مضمون دماغ میں رہا اور "**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم**" کہا تو اس وقت امام آپ کو خوشخبری دیتا ہے، **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ** اللہ نے سُن لی اس کی بات جس نے اس کی حمد کی۔ اس پر آپ پھر اور حمد کرتے ہیں۔ کھڑے ہو کر کہتے ہیں **رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْه**۔ کبھی یہ سوچا کہ **رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ** میں **رَبَّنَا** کے بعد 'وَ' کیوں

آتی ہے؟

جب یہ آواز سنتے ہیں کہ سُن لی اللہ نے ،تو دل سے بے اختیار نکلتا ہے رَبَّـنَا ،کیسا پیارا ربّ ہے جس نے ہماری سن لی۔اس کا جواب ہے: رَبَّـنَا ۔اے ہمارے ربّ۔کیسی پیاری بات ہے،ادھر ہم نے حمد کی ادھر تو نے سُن لی۔

''رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ'' اب ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرے لئے اور بھی حمد ہے۔پھر رَبَّنَا میں ایسی حمد بیان ہوئی ہے جس میں شکریہ بھی پایا جاتا ہے۔اور دل سے بے اختیار آواز نکلتی ہے۔

''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ''۔کہ ابھی ہم نماز میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہہ رہے تھے تو کان میں آواز پڑی ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' اس نے سُن لی اُس کی جس نے اُس کی تعریف کی۔فوری جزا ملی تو اس وقت بے اختیار دل کہتا تھا رَبَّـنَا ۔اگر صرف رَبَّـنَا کہے تو ساری باتیں اسی میں بیان ہو گئیں۔لیکن رَبَّـنَا کہہ کر بتایا کہ ہمارا ربّ دیکھو کتنا عظیم ہے۔پھر رَبَّـنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہا کہ واقعی تیرے لئے ہی حمد ہے اور کسی کے لئے نہیں۔ حَمْداً کَثِیْراً طَیِّبًا مُبَارَكًا فِیْهِ ۔

(اردو کلاس نمبر ۳۱۶ منعقدہ ۳۱/اکتوبر ۱۹۹۷ء) (بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن ۲/مئی تا ۸/مئی ۲۰۰۳ء)

سجدہ

ارکانِ نماز: ہر حرکت جو ہم کرتے ہیں وہ ایک رکن بن جاتا ہے۔نماز کے سب رکن اس کے ارکان کہلاتے ہیں۔تو میں آپ کو نماز کے ارکان سمجھا رہا تھا۔ ہر رکن میں جو دعائیں پڑھتے ہیں وہ اس رکن سے مطابقت رکھتی ہے،اس جیسی ہوتی ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ سجدہ میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہتے ہیں۔اس کا کیا مطلب ہے؟ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' میں آپ کو کیا پیغام ملتا ہے؟اس سے پہلے سورۃ فاتحہ نے آپ سے ربّ کا تعارف کروایا تھا کہ ربّ کیا ہے؟ تو اس وقت ''آپ کا ربّ'' تو نہیں کہا تھا۔سورۃ فاتحہ نے ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ یعنی تمام جہانوں کا ربّ کہا تھا۔جب آپ اس ربّ کو یاد کریں گے اس سے مدد مانگیں گے تو وہ آپ کا ہو جائے گا۔تو یہ پہلا پیغام ہے رَبِّیَ الْاَعْلٰی میں کہ میرا ربّ بہت بلند ہے۔

بہت زبردست دعویٰ ہے۔سبحان اللہ! 'میرا ربّ' دیکھو! میرا ربّ میں دوبارہ عہد بھی ہے کہ

جو بھی مجھے رزق عطا کرنے والا ہے، مجھے طاقتیں دینے والا ہے۔ وہ اب یہی ہے، ربّ اور کوئی نہیں ہے۔ سب ربّ مٹ گئے۔ میرا ربّ تو وہ ہے جو اعلیٰ ہے۔ سب سے اونچا ہے تو پھر اور کیا چاہئے؟

''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' میں سُبْحَانَ نے ایک اور پیغام بھی دیا ہے کہ وہ برائیوں سے پاک ہے۔ کوئی شخص مرتبہ میں اونچا بھی ہوسکتا ہے پھر بھی اس پر داغ لگ سکتے ہیں۔ لیکن یہ وہ ربّ ہے میرا جو ہر برائی سے پاک ہے۔ ''یہ میرا ربّ ہوگیا ہے'' اور ''سب سے اعلیٰ'' کا کیا مطلب ہے؟ آپ کا ربّ کیسے ہوگیا، اگر آپ برائی سے پاک نہ ہوں۔ اگر آپ اپنے اخلاق میں، اپنے مزاج میں اعلیٰ نہ ہوں تو وہ آپ کا ربّ نہیں رہے گا۔ اس لئے ہر دفعہ جب ہم سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھتے ہیں تو پیغام ملتا ہے کہ میں بھی ایسا ہی بنوں جیسا میرا ربّ ہے۔ میں بھی پاک بنوں جیسا میرا ربّ پاک ہے۔ میں بھی اعلیٰ بنوں کیوں کہ میرا ربّ اعلیٰ ہے۔

مگر خدا نے اعلیٰ بننے کا طریق کیا سکھایا ہے؟ سجدہ میں سب سے نچلی حالت میں آپ گر گئے۔ اس سے آگے کھود کر جگہ بنانی پڑتی ہے۔ سجدہ سے نیچے تو آپ کچھ نہیں کر سکتے، سوائے اس کے کہ مٹی کھود کر اور نیچے چلے جائیں۔ مٹی کھودنے کی ضرورت نہیں، زمین پر جہاں آپ کا ماتھا ٹک گیا اتنا ہی کافی ہے۔ یہ ہے پیغام ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کا جسے تین دفعہ پڑھتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ یہ باتیں سوچتے سوچتے اتنا لمبا سجدہ کرتے ہیں کہ پچھلوں کی ہوش اُڑ جاتی ہے۔

مختلف باتیں سوچنا کہ وہ 'سُبْحَان' ہے، کن کن معنوں میں پاک ہے؟ مَیں کیوں اس کی طرف منسوب ہونے کے قابل نہیں۔ بعض بچے یہ کہتے ہیں: ہمارا باپ بہت بڑا ہے۔ مگر ہمیں اسکی طرف منسوب ہوتے شرم آتی ہے۔ کیوں کہ وہ اونچا ہے اور ہم چھوٹے۔ اب سُبْحَانَ رَبِّی کہہ دیا کہ میرا ربّ تو بہت پاک ہے۔ اس پر تو کوئی داغ نہیں۔ پھر آدمی سوچنے لگے مگر مجھ پر یہ بھی داغ ہے، وہ بھی داغ ہے۔ یہاں سے میں گندا ہوں، وہاں سے بھی گندا۔ تو کتنا لمبا مضمون چل پڑے گا۔ ابھی سُبْحَانَ پر ہی کھڑے ہوں گے کہ آگے دل کی باتیں شروع ہوجائیں گی کہ میں کیوں سُبْحَان (پاک) نہیں ہوں؟ کن باتوں میں مجھے بہتر ہونا چاہئے۔

پھر جب رَبِّی کہیں گے تو رَبِّی دعا بن جائے گی۔ اسی سے میں نے مدد مانگی ہے، اسی کی طرف جھکنا ہے، وہ تربیت کے لحاظ سے ربّ ہے، میری تربیت کرنے والا ہے۔ رَبِّی جو کہا ہے تو امید

بن گئی۔ وہ صرف ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ایک مدد کرنے والی ہستی کی طرف ایک پکار بن گئی ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّی میرا ربّ تو ہر داغ سے، ہر برائی سے پاک ہے، لیکن شکر ہے میرا ربّ ہے مجھے ٹھیک کرنے والا ہے۔

پھر ربّ کن معنوں میں ہے؟ کس طرح روحانی طور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سوچنے کے موقعے دئے اور نماز نے آپ کو کیا سے کیا بنا دیا؟ یہ سب رَبِّی کی باتیں ہیں میرے ربّ نے مجھے بنایا۔ اور اس کے بعد آخر پر اعلیٰ کا مضمون ہے، سب سے اونچا ہے۔ لیکن انسان سب سے اونچا کیسے ہوسکتا ہے۔ خود تو نہیں ہوسکتا۔ سب سے اونچا جو خدا ہے اگر اس کے سامنے اپنا سر زمین پر لگا دیں تو اللہ آپ کو اونچا بنائے گا۔ اور یہ کہہ کر کہ میرا ربّ وہ ہے جو سب سے اونچا ہے امید بندھ گئی کہ وہ مجھے بھی تو اونچا کرے گا۔ ایسی اور اسی طرح کی بہت سی اور باتیں سوچی جاسکتی ہیں۔

اگر آپ سوچیں تو سجدہ کتنا لمبا ہوسکتا ہے۔ ایک ہی دفعہ پڑھیں 'سُبْحَانَ رَبِّیَ الاَعْلٰی' تو بعض لوگوں کو سجدہ میں نیند بھی آجاتی ہے۔ قادیان میں ایک بزرگ صحابی ہوتے تھے جن کا نام حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ تھا۔ بہت چوٹی کے عالم تھے، بہت بزرگ آدمی تھے۔ کبھی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، میرے والد مرحوم بیمار ہوتے تو کہہ دیتے کہ مولوی سرور شاہ صاحب نماز پڑھائیں گے۔ جب وہ نماز پڑھاتے تھے خصوصاً صبح، سجدہ میں اتنی دیر لگا دیتے تھے تو ہم بچپن میں کوئی اس طرف گرا ہوا ہے، کوئی اُس طرف گرا ہوا ہے، سو سو کے گرتے جاتے تھے اور سجدہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے مولوی صاحب سے شکایت کی کہ مولوی صاحب کتنی دفعہ 'سُبْحَانَ رَبِّیَ الاَعْلٰی' پڑھتے ہیں؟ سنّت تو یہ ہے کہ تین دفعہ 'سُبْحَانَ رَبِّیَ الاَعْلٰی' کہتے ہیں۔ آپ تین سو دفعہ پڑھتے ہیں کہ سجدہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ وہ کہتے خدا کی قسم تین دفعہ سے زیادہ نہیں پڑھتا، صرف تین دفعہ پڑھتا ہوں۔ اس سے اندازہ کریں کہ حضرت مولوی صاحب کا مقام کیا تھا۔ سوچ سوچ کے پڑھتے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ جب کوئی امام ہو تو پچھلوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ مولوی صاحب کو یہ بات بھول جاتی تھی کہ پیچھے بھی کوئی نماز پڑھنے والا ہے۔

قادیان میں ایک دوست ہوا کرتے تھے جو مذاق کرنے میں مشہور تھے۔ ان کی ایک بیماری تھی کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے نہیں جایا کرتے تھے لیکن اپنے مذاق کی وجہ سے دور دور تک بہت شہرت

رکھتے تھے۔ان کا نام تھا مرزا ارشد بیگ۔کسی نے ان کو کہا آپ اتنے اچھے آدمی ہیں، اتنے نیک ہیں اور اتنے لوگوں کی خدمت کرنے والے ہیں، غریبوں پر احسان کرنے والے، مسجد میں نماز کے لئے کیوں نہیں جاتے؟ تو ان بیچاروں نے ارادہ کرلیا کہ اب تو میں جاؤں گا۔صبح کی نماز پر گئے، حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ نماز پڑھا رہے تھے۔وہ سجدہ میں گئے اٹھنے کا نام ہی نہ لیا۔ انہوں نے کہا السلام علیکم، میں جاتا ہوں اور دوڑے دوڑے نیچے اترے۔ان کی مذاق کی جو عادت تھی انہوں نے کہا کہ حکومت تبدیل ہوگئی ہے۔رستہ چلتے چلتے کسی نے پوچھا کیا؟ حکومت کیسے تبدیل ہوگئی؟ انہوں نے جواباً کہا پہلے مغلوں (حضرت مصلح موعودؓ) کی حکومت تھی، جہاں مغل حکومت کیا کرتے تھے وہاں سیدوں نے کوہلو لگایا ہوا ہے۔(جو مشین پیس کر تیل نکالتی ہے کوہلو کہلاتی ہے) یعنی مولوی صاحب تو نماز پڑھنے والوں کا تیل نکال دیتے ہیں۔تو ان باتوں کے ساتھ پرانے زمانوں کے لطیفے بھی مجھے یاد آجاتے ہیں۔تو سجدہ میں تین دفعہ 'سُبْحَانَ رَبِّیَ الاَعْلٰی' پڑھتے ہیں۔جب اکیلے نماز پڑھیں تو جتنے چاہیں لمبے سجدے کرلیں، جب کسی کو پڑھائیں تو کوہلو نہ لگائیں، یہ ضروری پیغام ہے آپ کے لئے۔

(اردو کلاس نمبر ۳۲۱، منعقدہ ۱۲ رنومبر ۱۹۹۷ء)

دو سجدوں کے درمیان کی دعا

اس میں 'وَارْفَعْنِیْ' کو پہلے اور 'وَاجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ' کو آخر پہ رکھا ہے حالانکہ بعد میں وَارْزُقْنِیْ کا اتنا تعلق نہیں جتنا 'وَارْفَعْنِیْ' کا تعلق ہے۔مگر ہماری کتابیں یہی دیتی ہیں۔پہلے مجھے خیال آیا کہ یہ دعا کی ترتیب درست نہیں لگ رہی اس لئے تحقیق کرنی چاہئے۔یہ بڑا دلچسپ خیال تھا۔اس لئے کہ میرا خیال تھا کہ 'وَارْفَعْنِیْ' آخر پر ہونا چاہئے تھا، اور پہلے نہیں ہونا چاہئے تھا۔اس لئے میں نے تحقیق کروائی اور ربوہ کو اس کام پر لگوایا کہ کن کن حدیثوں میں اس دعا کا ذکر ہے۔عجیب بات یہ نکلی کہ ہماری کتابوں میں جو دعا ہے وہ کسی حدیث میں بھی نہیں۔مختلف روایتوں کو جوڑ کر بنانے والوں نے ایک دعا بنالی، لیکن حدیث کے الفاظ میں نہ یہ ترتیب ہے نہ یہ سارے الفاظ ہیں۔اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں دعا کو درست کرنا چاہئے۔صحاح ستہ میں تین کتابیں ہیں جن میں تین روایتیں ہیں۔دو کتابوں میں وہی الفاظ ہیں۔ایک کتاب میں ان سے الگ الفاظ ہیں اور وہ بھی صحیح دعا ہے۔اب بتاتا ہوں کہ وہ کتابیں کیا کیا روایتیں بیان کرتی ہیں۔

جامع ترمذی: ایک صحیح کتاب ہے۔ اس میں 'اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ' ۔اس میں وَارْفَعْنِیْ' ہے ہی نہیں۔ جس کی مجھے تلاش تھی۔ مجھے اس کی تلاش بھی تھی ارو یقین بھی تھا کہ یہ آخر میں ہوگا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے انتہائی فصیح و بلیغ تھے۔ اگر آپ نے کوئی دعا سکھائی ہوتی تو سجدہ میں جانے سے پہلے وَارْفَعْنِیْ کا ذکر ہوگا۔ کیوں کہ سجدہ سے انسان کا رفع ہوتا ہے۔ اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر یہی فرمایا ہے کہ خدا کا بندہ جب خدا کے حضور عجز سے جھک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع فرماتا ہے۔ تو لفظ رفع سجدہ کے تعلق میں ہے۔ اس لئے مجھے خوشی ہوتی ہے کہ میرا جو اندازہ تھا وہ آخر ٹھیک نکلا۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں: 'اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ' اس میں عَافِنِیْ نہیں ہے۔ دوسری ہے: 'اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ' اس میں وَاجْبُرْنِیْ نہیں ہے۔

تو ثابت ہوا کہ ان تینوں حدیثوں کے الفاظ کا جو فرق ہے وہ بیچ میں سننے والے راویوں کی یادداشت کا فرق ہے۔ شروع سے حدیث صحیح چلی ہے۔ لیکن کوئی ایسا رستہ ضرور ہوگا کہ صحیح پہنچی ہو۔ تو ان دو کتابوں کے الفاظ تو آپس میں نہیں ملتے۔

ایک اور کتاب ہے، اس کے الفاظ بھی نہیں ملتے مگر اس کا مضمون بہت اچھا ہے۔ وہ ہے سنن ابن ماجہ۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے حوالے ہمارے لٹریچر میں بہت دئے جاتے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: 'رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ' ۔اے میرے ربّ مجھے بخش، مجھ پر رحم فرما، میری اصلاح فرما دے۔ وَارْزُقْنِیْ مجھے رزق دے، جسمانی وروحانی۔ اور آخر پر وَارْفَعْنِیْ ہے، میرا رفع فرما۔ اس کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَر کہا اور سجدہ میں چلے گئے۔ 'رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ' یہ وہ حدیث ہے جو میرے دل کو لگتی تھی۔ اور مجھے یقین تھا کہ ملے گی، اور پھر مل گئی۔

پس یہ تینوں روایات الگ الگ تھیں مگر میرے ذہن نے جو اندازہ لگایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ترتیب سے بات کی ہوگی اور وَارْفَعْنِیْ کا ذکر آخر پر فرمایا ہوگا۔ یہ بات ابن ماجہ سے نکل آئی۔ اس لئے ہماری کتب میں یہ درج ہونی چاہئے۔

ہماری کتب میں جو حدیث ہے وہ ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ اور کسی اور حدیث میں

بھی نہیں ہے۔ ہمارے علماء نے تحقیق نہیں کی کہ یہ پائی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ اور وہ الفاظ لکھ دیئے جو آپ نے یاد کر لئے۔ میرا خیال ہے کہ ان علماء میں بعض ایسے معتبر علماء بھی تھے۔ ان پر میں شک بھی نہیں کرسکتا کہ انہوں نے کہیں بھی نہ پڑھی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے علماء نے ابھی پوری تحقیق نہ کی ہو، یعنی صرف صحیح کتابوں کی تحقیق کی ہو جو چھ صحیح کتابیں ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ بعض دوسری کتابوں میں موجود ہو۔..... میرے علم میں ہمارے علماء میں ایک بھی ایسا نہیں جو اپنی طرف سے ایسی کوئی بات گھڑے۔ لیکن جب ہماری کتابوں میں جگہ مل گئی تو اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے کوئی حدیث کہیں پڑھی ہے۔ اس میں الفاظ زیادہ تھے تو ان کو اچھا لگا تو انہوں نے سارے الفاظ بھر دیئے۔

وَارْفَعْنِیْ کا مطلب جو غیر احمدی مولوی نکالتے ہیں وہ یہاں ہو نہیں سکتے۔ وہ کہتے ہیں: ''مجھے جسم سمیت اٹھا لے'' جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق رَفَعَ کا لفظ آتا ہے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ﴾ اس کا اپنی طرف رفع کر لیا اور رفع کا مطلب جسم کے ساتھ اٹھانا ہے۔

اب وَارْفَعْنِیْ کا مطلب جسم سمیت اٹھا لینے کا ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ اگلا سجدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں انسان اٹھایا جاتا ہے۔ جتنا خدا کے سامنے جھکو اتنا ہی خدا اونچا کرتا ہے۔ اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا وَارْفَعْنِیْ کا مطلب ہے ''میرا مرتبہ بلند فرما دے''۔ اور یہ کہہ کر کہ سجدہ میں جائیں تو بات کتنی مکمل اور خوبصورت بن جاتی ہے۔ اور یہ اس حدیث میں نکل آتی ہے۔ اس لئے اب اس حدیث کو یاد کر لو۔ اس کا مضمون ایسا ہے کہ فوراً یاد ہونی چاہئے۔

(اردو کلاس نمبر ۳۲۲، منعقدہ ۱۴ نومبر ۱۹۹۷ء)

(اگلی کلاس میں حضور رحمہ اللہ نے اس مضمون کے تسلسل میں فرمایا:)

اس کا ایک ہی راوی ہے۔ اس سے آگے دو تین وہی راوی رہتے ہیں۔ آگے جا کر آخر پر پہنچنے سے پہلے ایک ایک بدل جاتا ہے۔ اور یہی ایک حدیث ہے جو حدیثوں کی تین کتابوں میں ہے جو صحاح ستہ میں ہیں یعنی ابن ماجہ، ابوداؤد اور سنن ترمذی۔ اور اس کے اخر پر وَارْفَعْنِیْ آتا ہے جو مجھے پسند ہے۔

ہوسکتا ہے اس راوی نے وَارْفَعْنِیْ تو یاد رکھا ہو اور بعض وہ الفاظ بھول گیا ہو جو دوسرے راویوں نے یاد رکھے۔ اگر سب لفظ جو اس میں استعمال ہوئے ہیں سب کو اکٹھا کر دیں تو جائز ہوگا اور

وَارْفَعْنِیْ والی بات آخر پر ہی رکھیں۔اب آخر پر یہ دعا کیا بنے گی؟
دوسری روایت جو جامع ترمذی میں ہے اس میں وَاھْدِنِیْ ہے جو اس میں نہیں ہے۔تو وَاھْدِنِیْ اس میں add کردیں۔اور ابوداؤد کی روایت میں وَعَافِنِیْ ہے جو اس میں نہیں ہے۔وَعَافِنِیْ ڈال لیں تو وَارْفَعْنِیْ تک یہ دعا یوں بن جاتی ہے۔اور اس کی سند ہے اس لئے یہ دعا بتاتے ہیں۔
'رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِی وَاجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ '۔
ایک راوی نے جس نے وَارْفَعْنِیْ کی روایت ہے اس نے ربِّ کہا ہوا ہے۔کیوں؟ سجدہ میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی '' ہی چل رہا ہے۔اس لئے 'ربّ' والی دعا کو ہی یاد رکھنا چاہئے۔ 'اَللّٰھُمَّ' بھی کہہ دو ایک ہی بات ہے مگر جو بھی یاد ہو، منہ پر چڑھ جائے وہ ٹھیک ہے۔
'رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِی وَاجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ '۔ترجمہ: اے میرے ربّ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔وَاھْدِنِیْ اور مجھے ہدایت دے۔'وَعَافِنِی ' اور مجھے صحت عطا فرما تاکہ میں ہدایت پر چل بھی سکوں۔ 'وَاجْبُرْنِیْ ' اور مجھے جسمانی وروحانی لحاظ سے ٹھیک کردے۔میری اصلاح فرمادے۔کوئی چیز ٹیڑھی ہو جائے مثلاً ہڈی ٹوٹ جائے تو اس میں جَبَر کرتے ہیں۔وَاجْبُرْنِیْ کا یہ مطلب ہے کہ میرے ٹیڑھے جوڑ، ہڈیاں، پسلیاں یعنی روحانی اور جسمانی غلط ہو گئی ہیں ان کو ٹھیک کردے۔پھر رزق عطا کر اور میرا رفع کر۔
یعنی اصلاح ہو جائے تو رزق دے تا رزق کا صحیح استعمال کروں اور اس کے بعد ان چیزوں کا استعمال ایسا اچھا کروں کہ 'وَارْفَعْنِیْ' میرا مرتبہ بلند کردے۔

(اردو کلاس نمبر ۳۲۳-- منعقدہ ۱۵ / نومبر ۱۹۹۷ء)

التَّحِیَّات

سجدہ میں تین دفعہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھ کر (اُٹھنے کے بعد) ہم کیا کہتے ہیں؟ 'اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ ....'۔تَحِیَّة کیا ہوتا ہے؟ تحفہ یعنی تمام اور ہر قسم کے تحفے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔تحفے کس وجہ سے دیتے ہیں؟ آپ جو تحفے پیش کرتے ہیں تو خاص بات ہوتی ہے۔
اَلتَّحِیَّاتُ سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھا ہے۔تو امید رکھی ہے کہ اللہ نے آپ پر بہت رحم

کئے ہیں۔آپ کی بہت تعریف کی ہے۔آپ کو بڑے بلند مقام دئے ہیں۔تو جس طرح کوئی بادشاہ کے حضور حاضر ہوتا ہے کہ یہ میرا تحفہ ہے تو 'التَّحِیَّات لِلّٰہِ' کا مطلب ہوا کہ اگر کسی نے تحفے دینے ہوں تو اللہ ہی کو دے۔

وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ :صلوات اور طیبات میں کیا فرق ہے؟ صلوات کہتے ہیں بدنی قربانی کو۔یعنی آپ کا بدن تکلیف اٹھاتا ہے۔اور نماز اُٹھتے بیٹھتے پڑھتے ہیں۔یہ صلوات ہیں تو تحفے بھی سب اللہ کے اور صلوات بھی جو کی جاتی ہیں۔یعنی ہر قسم کی بدنی قربانیاں جن میں نماز بھی شامل ہے اللہ کی خاطر لوگ دوڑے پھرتے ہیں اور اتنا کام کرتے ہیں۔آپ لوگ بھی یہاں خدا کی خاطر آتے ہیں۔یہ سب بدنی قربانیاں ہیں۔آپ کا بدن قربانی کرتا ہے۔تو یہ سب بدنی قربانیاں بھی اللہ کے لئے ہیں۔

وَالطَّیِّبَاتُ: طَیِّبَات کیا ہوتے ہیں؟ طیب کس کو کہتے ہیں؟ جو پاکیزہ ہواُ سے طیب کہتے ہیں۔تو طیبات کا مطلب ہوا پاکیزہ چیزیں۔اس کا تعلق تحفہ سے بھی ہے۔خدا کے حضور جب ہم تحفہ پیش کرتے ہیں تو تحفہ ہمیشہ بہترین چیز کا دیا جاتا ہے۔کیا تحفہ دیتے وقت آپ نے کبھی پرانی چیز نکال کر تحفہ کے طور پر دی ہے۔تحفہ دیتے وقت سوچنا چاہئے کہ اچھی اور پیاری سی چیز ہو جو آپ کو اچھی لگے۔اور اگر کسی سے بہت محبت ہو، بہت پیار ہو تو اتنا ہی پیارا تحفہ پیش کرتے ہیں۔اور بہت ہی پیارا ہو تو آدمی کہتا ہے کہ جو سب سے اچھی ہے وہ میں دیتا ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ کے حضور التَّحِیَّات کا یہ بھی مطلب بنا کہ نمازیں بھی بہترین سجی ہوئی ہوں۔ بدنی قربانیاں بھی ایسی ہوں کہ آدمی ان میں کوئی نقص بھی نہ نکال سکے۔

اور طیّبات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن میں مال بھی شامل ہو۔آپ کے کپڑے، آپ کی چیزیں۔اچھی سے اچھی۔وہ جو حرام کی کمائی کی نہ ہوں، جو جائز ہو۔چونکہ جو حرام کی کمائی ہو وہ طیب نہیں کہلاتی۔اور طیّب کس کو کہتے ہیں؟ صرف حلال چیز ہی کو طیّب نہیں کہتے بلکہ جو حلال میں سے بھی بہت اچھی ہو اسے طیّب کہتے ہیں۔مثلاً اگر میں آپ کو سموسے پیش کروں اور وہ بدبودار گوشت کے ہوں، اس میں ہلکی سی بو آئے تو یہ حلال تو ہے، آپ چھوڑ دیں گے اس کو۔مگر اس میں اگر گوشت کی خوشبو آئے تو اس کو طیب کہیں گے۔تو اللہ تعالیٰ کے حضور صرف حلال ہی پیش نہیں کرنا بلکہ ایسا حلال پیش کرنا ہے جو خوشبوئیں دے۔دیکھ کے بھی اس میں مزہ آئے، وہ پیش کریں۔

وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ کہہ کر پھر دل تھوڑا سا رکتا ہے کہ لائے کیا ہیں ہم۔ پیش تو کر رہے ہیں مگر ہے کچھ بھی نہیں، خالی برتن پیش کر رہے ہیں۔ اس کی مرضی ہے کہ وہ قبول کرے۔

وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ پر غور کر کے ایک اور مضمون اس سے نکل سکتا ہے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ بدنی قربانیاں پیش کیا کریں۔ روزانہ خدا کے حضور کچھ نہ کچھ، کچھ طیّب پیش کیا کریں۔ اگر آپ یہ کر سکیں تو کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تھوڑا تو ہے مگر یہ کچھ ہے جو ہم نے تیرے لائق سمجھا، وہ پیش کر دیا۔

تو نماز ہر جگہ قدم روکتی ہے، انسان کو سوچنے کا کہتی ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اور ایک نماز میں ساری باتیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس لئے روزانہ پانچ وقت نماز۔ صبح نماز، شام نماز لیکن آپ بور نہیں ہوتے۔ کیوں کہ آپ کی سوچیں ہر نماز میں مختلف ہوتی ہیں۔ ساری باتیں ایک ہی نماز میں تو نہیں سوچ سکتے لیکن آپ کی سوچیں کبھی ایک بات کو لائیں گی کبھی دوسری بات لائیں گی۔ عمر گزر جائے گی مگر نماز ختم نہیں ہو گی۔

تو التَّحِیَّات کے بعد ہم اگلی باتیں کیا کرتے ہیں؟ یہ ساری پیاری پیاری باتیں ہمیں کس نے سکھائی؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اللہ کو تو تحفہ پیش کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہم کیا لائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ دعا ہے جو اللہ کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے۔ اور ہماری طرف سے ایک تحفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو گا۔ اس لئے تحفہ پیش کرتے وقت خدا تعالیٰ کو پہلے غائب بتایا۔ 'التَّحِیَّات لِلّٰهِ' پھر حاضر کی طرف مضمون چلا گیا۔ پھر اپنی طرف مضمون آ گیا۔ تین ہی طریق ہیں جو ہر زبان میں ملتے ہیں۔ (۱) کسی کو غائب میں ذکر کریں۔ (۲) یا مخاطب میں کریں۔ (۳) یا اپنے متعلق بات کریں۔ یہ تینوں باتیں التَّحِیَّاتُ میں موجود ہیں۔ پہلی بار التَّحِیَّات لِلّٰهِ ہے یعنی سب تحفے اللہ ہی کے لئے ہیں۔ دوسری پھر یاد آنا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس اللہ سے ہمارا تعلق بڑھایا اس لئے یہاں رَبِّــــی نہیں فرمایا۔ کیوں کہ یہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ ہے جس نے ہم سے تعارف کروایا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں 'السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ'۔ اے نبیؐ تجھ پر سلام، تو نے کتنی بڑی چیز دی۔ اور یہ کہنے کے بعد آخر میں پھر اپنے پر بھی سلام بھیجا 'السَّلَامُ عَلَیْنَا.'

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اپنے پر اور پھر سب نیک بندوں پر، 'وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن' کہا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اے رسولؐ تجھ پر تو ہم نے سلام بھیجا۔ اسی سلام کے نتیجہ میں ہم پر بھی سلام ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجو گے تو یاد رکھو تم پر بھی ضرور سلام ہوگا۔ یہ اسکا لازمی طبعی نتیجہ ہے۔ اس لئے آپ بڑے یقین سے کہتے ہیں السَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن'۔ یعنی ہم پر بھی سلام اور سب دنیا کے اللہ کے بندوں پر بھی سلام ہو۔

یہ التَّحِیَّات کی مختصر سی تشریح ہے۔ اس کو اب آپ لوگ یاد رکھ لیں۔ جب بھی آپ نماز پڑھا کریں، بیٹھتے ہوئے جتنی بھی توفیق ہو ان باتوں میں سے گزریں، ان کو سوچا کریں اور آہستہ آہستہ پھر آگے بڑھا کریں۔ شروع میں جب التَّحِیَّات ادا کریں تو اس طرح ہوشیاری سے بیٹھا کریں کہ پتہ ہو کہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

(**التَّحِیَّات** کے بارہ میں مزید فرمایا:)

التَّحِیَّات : یہ جو ترجمہ ہے کہ "تمام زبانی عبادتیں" میرے نزدیک تو درست نہیں ہے لیکن جو میں نے اپنا مضمون بیان کیا ہے وہ عین لفظوں کے مطابق ہے۔........ **التَّحَیَّاتُ** درست نہیں ہے اصل تو **التَّحِیَّاتُ** ہے۔

التَّحِیَّات : **تَحِیَّۃٌ** کا ایک مطلب ہے 'خوش آمدید کہنا' کسی کو Welcome کہنا۔ اگر ڈکشنری دیکھیں تو عربوں میں **التَّحِیَّۃُ** کا یہی معنی ملے گا، Greeting۔ تمام عربوں سے میں نے پتہ کیا ہے کہ وہ تمام **التَّحِیَّۃُ** کا ترجمہ ہمیشہ تحفہ ہی کرتے ہیں اور اسی معنی میں وہ روز دوستوں کو تحفہ دینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

التَّحِیَّات :- تحیہ دینا، تحفہ دینا۔ اس کو ہدیہ کے معنوں میں لیتے ہیں۔ اور میرے نزدیک **التَّحِیَّات** کا دوسرا معنی بھی یہاں خوب لگتا ہے۔ **التَّحِیَّات** کا مطلب ہے کہ ساری Greetings۔ آجاؤ ہمارے گھر شوق سے آؤ۔ **التَّحِیَّات لِلّٰہِ**۔ 'Welcome, Welcome' یہ ساری باتیں اللہ کے لئے ہیں۔

(اردو کلاس نمبر ۳۲۱، منعقدہ ۱۲ر نومبر ۱۹۹۷ء)

(**التَّحِیَّات** کے ترجمہ "زبانی عبادتوں" کے بارہ میں فرمایا:)

میں تو اس کا جواب پہلے ہی دے چکا ہوں۔ میں نے جب ترجمہ کیا کہ "Greetings" اور

Greetings تو ہوتی ہی زبانی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں آؤ، جی آیا نوں، ماشاء اللہ، آجاؤ، Welcome۔تو greetings ہوتی ہی زبانی ہیں۔اس بناء پر ترجمہ میں ''زبانی عباتیں'' آ گیا۔لیکن پھر مجھے اس سے پورا اتفاق نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر عبادت کی ہر طرز میں زبانی عبادت بھی داخل ہوتی ہے۔تو زبانی عبادت کو اس سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور طیّبات سے۔ طَیِّبٌ مِنَ الْقَوْلِ بھی قرآن کریم میں آتا ہے۔{وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (سورۃ الحج:۲۵) (الناشر)} تو میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ہر عبادت میں قول کا حصہ شامل ہے۔تو اگر آپ ''زبانی عبادتیں'' معنی کر کے ان کو الگ کر دیں گے تو پھر ''اور'' کے معنی ختم ہو جائیں گے۔اس لئے Greetings کی بجائے تحفہ کا مضمون زیادہ پسند کرتا ہوں۔اور اس میں وہ سارا مضمون آجاتا ہے کہ تحفہ کو کیا ہونا چاہئے۔

(اردو کلاس نمبر ۳۲۲، منعقدہ ۱۴ر نومبر ۱۹۹۷ء)

نماز کے متعلق چند مسائل

فجر کی نماز:

صبح کی نماز میں دو سنتیں اور دو فرض ہیں۔فرض کیا ہوتا ہے؟ فرض نماز کے اُس حصہ کو کہتے ہیں جس کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔اور فرض اس نماز کو کہتے ہیں کہ جو اگر نہ پڑھی جائے تو پھر اللہ کی نافرمانی ہو جائے گی اور ہم سمجھیں گے کہ ہم نے جیسا فرض تھا، ادا نہ کیا۔جیسے ہم کہتے ہیں کہ تمہارا فرض ہے کہ پڑھائی کرو۔تمہارے فرض ہے کہ یہ کرو.....وہ کرو۔اگر تم نہ کرو گے تو فرض ادا نہیں ہوگا۔تو صبح کی جو دو رکعتیں ہیں نماز فجر کی، وہ فرض ہیں، ان کے بغیر تو گویا نماز ہی نہیں ہوگی۔خانہ خالی رہ گیا۔سارے دن کی نمازیں بھی ساتھ برباد۔

سنتیں کیا ہوتی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فرض سے پہلے اور فرض کے بعد جو رکعتیں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے ان کو ہم سنتیں کہتے ہیں۔لیکن سنتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ایک مؤکّدہ اور ایک غیر مؤکّدہ۔یہ تشریح فقہ کی باتیں ہیں، ان فقہ کی باتوں سے میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔جو باتیں یاد رکھنی لازمی ہیں وہ یہ ہیں کہ صبح کی سنتیں معاف نہیں ہوتیں۔صبح کی دو سنتیں آپ سفر میں بھی پڑھیں گے۔یہ سفر میں بھی نہیں گریں گی۔حالانکہ ظہر کی پہلی سنتیں اور بعد کی سنتیں سفر میں ہوں تو غائب۔فرض پڑھ لیں تو وہی کافی ہے۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ آپ ؐ

صبح کی دو سنتیں کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لئے یہ فرض کے قریب قریب ہو جاتی ہیں۔ فرض تو نہیں لیکن جیسا کہ فرض۔ دو رکعتیں سنت کی پہلے اور پھر فرض۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی سنتیں ہلکی پڑھا کرتے تھے۔ ایک ہی نماز ہے آپ کی جس کو ہمیشہ بہت ہی ہلکا کر لیا کرتے تھے۔ یعنی صبح کی نماز پہ جانے سے پہلے سنتیں تیز پڑھتے تھے۔ دیکھنے والے بعض اوقات حیران ہوتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا تیز یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے تیز۔ ہمارے لحاظ سے تیز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نمازیں پڑھتے تھے ان کے مقابل پر صبح کی سنتیں بہت ہلکی لگتی تھیں۔ چونکہ تہجد کے بعد نماز پہ جانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے اور پھر جلدی کرتے تھے نماز پہ جانے کے لئے۔ بہتر یہ ہے کہ سنت گھر میں پڑھیں اور فرض مسجد میں جا کر پڑھیں۔

تہجُّد:

نماز تہجد نفل ہے۔ اصل نفل یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ﴿فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ نَافِلَةً سے مراد نفل ہے۔ لیکن نفل تو انسان سارا دن پڑھ سکتا ہے۔ ہر نماز کے بعد پڑھ سکتا ہے۔ بعض لوگ مغرب کے بعد پڑھتے ہیں، بعض عشاء کے بعد پڑھتے ہیں۔ تو یہ سب نوافل ہیں۔ نفل کی جمع نوافل ہے۔

تہجد کے بعد آخر پر ایک رکعت پڑھ لیں تو یہی وتر ہو جاتے ہیں۔ تہجد کے وقت نماز پڑھیں، قرآن پڑھیں، گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ، کاموں کے لحاظ سے جتنی توفیق ملے ٹھیک ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ تَيَسَّرَ کا مطلب ہے توفیق۔ تو قرآن پڑھنے کی نماز میں جتنی بھی توفیق ملے ویسا ہی پڑھیں اور تہجد بھی اپنی توفیق کے مطابق پڑھے۔

نماز آرام سے پڑھنی ہوتی ہے۔ مرغی کی طرح ٹھونگے نہیں مارنے، آرام سے نماز پڑھتے ہیں۔ اس لئے اس تہجد کی نماز میں وقت چاہئے۔ جلدی میں تو نہیں ہو سکتی۔ مگر وقت کے لحاظ سے آپ اپنے لئے چن لیا کریں۔ جتنی تہجد پڑھنی ہو شوق سے پڑھیں۔

(اردو کلاس نمبر ۳۲۱ منعقدہ ۱۲ر نومبر ۱۹۹۷ء) (بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۹ر مئی ۲۰۰۳ء)

۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞-۞